يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

(فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ)

لِلّٰہ الحمد و لہ المنۃ کہ کتاب مستطاب تحفۃ الاخیار و عدۃ للابرار

مسمّٰی بہ

کشف الاسرار

فی

معرفۃ النبیؐ و آلہ الاطہار

تصنیف منیف جناب سلالۃ المصطفین مولانا السید محمد سبطین السرسوی
اعزہ اللہ فی الدارین

حسب ہدایت مخبر البرہان لاہور

در مطبع رفاہ عام سٹیم پریس لاہور باہتمام مولوی عبد الحق مالک و مہتمم مطبوع گردید

فہرست مضامین

	نام مضمون	صفحہ
(۱)	دیباچہ	۱
(۲)	مقدمہ	۲۰
فصل در حقیقت و معیار نبوت	حقیقت و معیار نبوت	۲۱
	تعریف نبی اور اس کی فصل ممیز	۳۰
	علامہ ابن خلدون اور وحی کی توجیہ	۳۱
	خلقت انسان	۳۵
	انبیاء کی طینت نورانیہ	۳۷
	خلقت انبیاء عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی سے	۳۸
	خواص مادۂ نورانیہ انبیاء	۴۱
	مزید شہادت از کلام حمید مجید	۴۶
	روح قدس کا ثبوت احادیث سے	۶
	روح قدس کے کمالات فعلیہ	۵۰
	انبیاء اور کتاب وجودی	۵۹
فصل نبوت مطلقہ کلیہ	اظہار نبوت و بعثت انبیاءؑ	۶۴
	درجات ششگانہ نبوت	۷۳
	ولایت مطلقہ	۸۴
	معنی شہید	۸۵
فصل امامت مطلقہ	امامت صغریٰ و کبریٰ	۸۷
	امام حق و امام باطل	۸۸
	عہد امامت کی تصریح	۹۱
	تعریف امامت	۹۲
	امامت و نسل اسمٰعیل	۹۵
	[illegible]	[illegible]
	علم امامت کی مزید توضیح	۹۸
	امام مطلق کی ایک اور صفت	۱۰۵
	امامت اور ولایت مطلقہ	۱۰۸
	اطاعت مطلقہ	۱۰۹
	اجسام ائمہ اور ان کی ارواح	۱۱۲
	روح مسدد	۱۱۴
	ولادت ائمہؑ	۱۱۵
	بعض علامات امامؑ	۱۱۸
	امام کی حقیقت امام کی زبانی	۱۱۹
	انبیاء و ائمہ کی بابت علامہ مجلسیؒ کی رائے	۱۲۵
	نتیجہ بیانات سابقہ	۱۲۶
	معنی غلو	۱۳۱
	تقریر مدعا	۱۳۳
	دفع شبہات	۱۳۴
	باب اول	
فصل	ابتدائی مباحث	۱۴۰
فصل	جواب مضامین	۱۶۹
	تعریف کمال	۱۷۳
	لوازم البشریۃ	۱۸۳
	آیہ ما کنت تتلو	۱۸۵
فصل	تحقیق متین	۲۰۰
	تعریف انسان	۲۰۱
	حقیقت ادراک و شعور	۲۰۴

	نام مضمون	صفحہ
	صحیح آحرایف السابق ـ	۲۱۳
	تنبیہ نیہ تبصیر	۲۲۶
	باب دوم	
	(اقوال متفرقہ)	۲۳۷
فصل	اڈیٹر اصلاح ـ	۲۳۳
	سید احمد حسین صاحب	۲۴۴
	مولوی سید شبیر حسین صاحب	۲۴۶
	ادیر شیعہ ـ	۲۴۸
	باب سوم	
فصل	جناب علامہ کنتوری مدظلہ ـ	۲۴۸
	فتاوائے حجج اسلام کثرہم اللہ	۲۸۶
فصل	سلسلہ مضامین جناب علامہ	۲۸۸
	ابتدائے بعثت بروایات امامیہ	۳۰۰
	ابتدائے بعثت بطریق دیگر	۳۰۴
فصل	غط کی تفسیر ـ	۳۰۷
	تحقیق ایمان پیغمبرؐ ـ	۳۱۱
	فتاوائے حجج اسلام کثرہم اللہ	۳۱۳
	تفسیر آیہ	۳۱۸
	تبصرہ	۳۲۴
فصل	علی کو استاد جبرئیل کہنا غلو ہے ـ	۳۳۱
	علم ما کان و ما یکون سے جہالت ـ	۳۳۷
	حقیقت شعر ـ	۳۴۰
	جرم اور گناہ ـ	۳۴۵
	خطوط علماء کرام ـ	۳۵۰

نام مضمون	صفحہ
خاتمہ کتاب	
تفسیر آیہ ما کنت تدری الخ	۳۸۵
روح نبی کب عطا ہوئی ـ	۳۶۵
یہ روح جبرئیل نہیں ـ	۳۶۸
معنی کتاب و ایمان	۳۷۱
تفسیر آیہ ما کنت تتلوا الخ ـ	۳۷۲
امی کے معنی جاہل نہیں ہیں	۳۷۶
امی کے معانی امام کی زبانی ـ	۳۷۹
مختارات علماء ـ	۳۸۱
جناب علامہ مجلسیؒ کا فیصلہ ـ	۳۸۴
نحن امۃ امیۃ ـ	۳۸۵
توجیہات امی ـ	۳۸۵
توریت و انجیل سے امی کے معنی	۳۸۷
تفسیر امیین	۳۸۸
پیغمبرؐ کو کن کن معنی سے امی کہہ سکتے ہیں ـ	۳۹۳
علوم ائمہؑ و اکتساب ـ	۳۹۵
علوم انبیاؑ کی نسبت امام غزالی کی رائے	۳۹۸
علم اکتسابی علم ہی نہیں ـ	۳۹۹
الراسخون فی العلم ـ	۳۹۹
صنائع انبیاؑ ـ	۴۰۷
علم امام کی بابت مولانا حامد حسین صاحب قدس سرہ کی رائے ـ	۴۱۲
حدیث جناب امام رضا علیہ السلام کتاب کا اختتام ـ	۴۱۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ رب العالمین خالق السموات والارضین باری الخلائق اجمعین الذی حوّرنا سالک الدین واوضح لنا مناهج الیقین وشرفنا بحبیبہٖ وولیہٖ سیّد الاوّلین والاٰخرین سرالانبیاء والمرسلین فاتحۃ کتاب التکوین خاتمۃ صحف التدوین اوّل المسلمین خاتم النبیّین رحمۃ للعٰلمین واکرمنا باهل بیتہ الطیّبین الطاهرین الهداۃ المهدیین شفعاء المذنبین والشهداء یوم الدین حجج اللہ علی اهل السموات والارضین وخلفائہ علی عبادہٖ اجمعین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیهم ابد الاٰبدین ودهر الداهرین +

امّا بعد برادران ایمانی غالباً ہمارے اس خیال سے اختلاف نہ کریں گے۔ کہ ۱۹۰۰ء کے اواخر ایام بعض اعتبارات سے وہ مبارک ایام تھے۔ جن میں قرأت وکتابت کی بحث بدقسمتی سے شروع ہوئی۔ اور بحث نے ذاتیات وخصوصیات شخصیہ کی وجہ یا بعض اسباب حل وعقد کی پولیٹیکل مصلحتوں سے رفتہ رفتہ ایسا طول کھینچا۔ کہ صرف قرأت وکتابت ہی میں محدود ومنحصر نہ رہی۔ بلکہ اصل حقیقت نبوت وامامت تک منتہی ہوئی۔ اور اس نامرضیہ نتیجہ تک پہنچی۔ کہ خوف کیا جاتا ہے۔ کہ مومنین کی مختصر جماعت کے دو ضعیف ٹکڑے بن جائیں۔ نہ صرف خوف بلکہ مشاہدہ بتلا رہا ہے۔ کہ دو فریق ہو گئے (خدا کرے۔ کہ میرا یہ خیال غلط ثابت ہو)۔ اور خیالات مختلف نظر آنے لگے۔

بحث کو طول کیوں ہوا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ اس وقت اس کا جواب مختصر الفاظ میں نہیں

دیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ فی الحقیقت جواب مختصر ہی ہو لیکن ہر شخص کے لئے اس کا سمجھنا آسان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل و تشریح کی ضرورت ہے۔ ہم اثناء اثبات مدعا میں اس امر کی ضرور کوشش کرینگے۔ اور ناظرین کو ایسا موقع دینگے۔ کہ وہ اس کی تہ کو پہنچیں۔ اور پھر اس سے نتیجہ اخذ کریں۔ مارچ ۱۹۱۰ء میں رسالہ "کشف الحجاب" کے شائع ہونے سے یہ گمان غالب تھا۔ بلکہ یقین کیا جاتا تھا۔ کہ یہ اختلاف جلد مٹ جائیگا۔ غلط فہمیاں رفع ہونگی۔ اور حق منکشف و آشکار۔ اور گذشتہ سال طرفین کی خاموشی اس کی تمہید کر رہی تھی۔ اور ہم نے سمجھا تھا۔ کہ مادۂ فساد نیست و نابود ہو گیا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ خود غرض یا طالب نام حضرات نے ہماری یہ آرزو پوری نہ ہونے دی۔ اور مولوی سید صغیر حسن صاحب کی طرف سے "کشف الحجاب" کے جواب میں "اظہار حق" (یا ابطال حق) کے ظہور و شیوع نے ہمارے گمان کو باطل کر دیا۔ مادۂ فساد موجود تھا۔ آخر آتش فتنہ پھر دوبارہ افروختہ ہوئی پائی گئی۔ نیز بعض حضرات کے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے اور بعض کے طرز عمل نے بھی ثابت کر دیا۔ کہ گو کشف الحجاب سے اُن لوگوں کے خیالات میں بہت کچھ تغیر ہوا جنہوں نے اُس کو دیکھا ہے۔ اور انہوں نے حق و باطل میں تمیز کر لی لیکن ابھی اُن حضرات کی تعداد زیادہ ہے۔ جو اڈیٹر اخبار ناظم الہند سفیر گورنمنٹ لاہور و ملتان کے ہم خیال اہل پنجاب کی نسبت وہی قدیم خیالات دل میں لئے ہوئے ہیں۔ کہ یہ لوگ علماء کو معاذ اللہ برا کہتے ہیں۔ اور توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ اور اُن کے دلوں میں ان کی کوئی وقعت و عظمت نہیں۔ اور یہ کہ بحث میں مقصود صرف اہل پنجاب ہی ہیں۔ وغیر ذالک ٭

اگرچہ رسالہ "اظہار حق" خود کوئی ایسی چیز نہیں جس کے جواب میں عزیز وقت خرچ کیا جائے۔ کیونکہ اُس میں جعل اور بے معنی عبارات کے سوا اور کچھ ہے ہی نہیں۔ اُس کا دیکھنے والا کسی مفید نتیجے پر پہنچ سکتا ہے نہ اُس کے مطالعہ سے کسی کو جدید فائدہ علمیہ حاصل ہو سکتا ہے۔ تحریر نہیں ہے۔ بلکہ کسی کے جوش محبت میں از خود رفتہ ہو کر مرزا غالب مرحوم کی زبان بول رہی ہے۔ ؎

"کہہ رہا ہوں نشے میں کیا کیا کچھ ٭ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

صرف اُس کی بعض عبارات کا نقل کر دینا ہمارے بیان کی صداقت کی کافی دلیل ہوگا۔ جیسا کہ انشاء اللہ ناظرین اثبات مطلب کے ضمن میں مطالعہ فرمائینگے۔ اور نہ مؤلف ہی ایسے ہیں۔ جن سے مخاطبہ کیا جائے۔ جبکہ اُن کی تنگ ظرفی خود اعلان صفحہ اوّل سے صاف ظاہر ہو رہی ہے۔ کہ بہت ہی تھوڑے ظرف کے آدمی ہیں لیکن ایسے اشخاص کے لئے جو حق و باطل میں خود تمیز کرنے کی قابلیت نہیں رکھتے۔ یا تحقیق کی تکلیف اُٹھانی گوارا نہیں کر سکتے۔ اور اپنے معتمد علیہ و معتقد مُلّا ہی کی ماری حلال جانتے ہیں۔ اور بس۔ یا معتمد ثانی کی شہادت پر اپنے حین حیات میں اپنی زوجہ کی بیوگی تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اُن کی بعض

غلط فہمیوں کی تائید اور بعض اعتقادات کی تاکید و تاسیس میں یہ رسالہ کچھ کم مؤثر نہیں ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ مؤلف نے عمداً اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے عوام فریبی میں کوتاہی نہ کی ہو اور کوشش کی ہو کہ پڑھنے والے کو اصل نزاع کا پتہ نہ لگے۔ اور معلوم نہ ہو کہ معاملہ کیا ہے۔ اور قصور کس کا۔ سوال سائل کہیں درج کیا گیا ہو۔ اور جواب مجیب بالکل صورت بدل کر کہیں نوّے صفحے کے بعد۔ تمام مباحث سوال سائل ہی پر ختم ہو جاتے ہیں۔ جواب آخر کتاب میں درج کیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کا مطالعہ کرنا ایک اہم غرض سے چشم پوشی کرنا ہے۔ علاوہ ازیں جبکہ اکثر حضرات کے خیالات ایک دوسرے کے برخلاف ہیں۔ اور یہ مادۂ اختلاف موجود ہے۔ جو قومی اجتماعی ترقی کے لئے سمِ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ تو اصل مابہ النزاع سے لوگوں کو مطلع نہ کرنا یقیناً قومی۔ اخلاقی اور مذہبی گناہِ عظیم متصور ہوگا۔ لہٰذا کشف الحجاب کا نہایت مختصر اور مجمل ہونا۔ اور اب اس کا بھی تقریباً نایاب ہو جانا۔ احباب کا اس کو طلب کرنا۔ خیالات میں مادۂ اختلاف کا پایا جانا۔ جواب کشف الحجاب میں برعکس نہند نام زنگی کافور "اظہار حق" کا شائع ہونا (جو کم علم عوام کے لئے نہایت مضر اور مذہب حق کو باطل کرنے والا رسالہ ہے) ایسے امور ہیں۔ جو اس بات کو مقتضی ہیں۔ کہ ایک کتاب مفصل ایسی لکھی جائے۔ جو اس بحث قرأت و کتاب کی ابتدائی تاریخ۔ طرفین کے خیالات و اعتقادات کا آئینہ۔ حق و باطل کے پرکھنے کی کسوٹی۔ اور علم دوست و طالبانِ حق کے لئے تحقیقات علمیہ کا بہترین ذخیرہ ہو۔ جس میں شکوک و شبہات اور جہالات کے حجاب اٹھا دئے جائیں۔ عروس مطالب کے چہروں سے نقاب الٹ دی گئی ہو۔ اور اس بحث اس اختلاف اور اس الجھے نزاع میں جو اسرار پوشیدہ ہیں۔ وہ سب پر منکشف و ہویدا ہو جائیں۔ مذکورہ بالا ضرورتوں کو محسوس کر کے میں اپنی ناچیز خدمت "کشف الاسرار" کی صورت میں پیش کرتا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں۔ کہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔ اس سے واقعات پر روشنی پڑیگی خیالات میں تبدیلی ہوگی۔ اور معلوم ہو جائیگا۔ کہ اڈیٹر ناظم الہند سفیر گورنمنٹ و ان کے ہم خیال اہل پنجاب کا کیا جرم تھا؟ وہ کیوں ایسے معتوب ہوئے؟ کونسی ایسی تقصیر ان سے ہوئی ہے۔ جس کی بنا پر وہ اکثر یا بعض سادہ لوح احباب کی نظروں میں کسی جدید مذہب کے ممبر دکھائی دئے؟ یہ مادہ کہاں سے پیدا ہوا؟ اور اس کا اصل منبع کیا ہے؟ لیکن یہ خیال رہے۔ کہ ہم اس کتاب کو "تو تو میں میں" یعنی عامیانہ مناظرہ کی کتاب نہ بنائینگے۔ کہ طرف مقابل کی ہر ایک عبارت کی رد لکھی جائے۔ اور ہر مہمل بات کا بھی ضرور جواب دیا جائے۔ اور ہر ایک امر پر خواہ مخواہ بحث کی جائے۔ خلط مبحث و نزاع لفظی میں تضیع اوقات کی جائے کیونکہ اس سے کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوتا۔ اس لئے ہم نقل عبارات خصم میں انہی عبارات یا خطوط پر اکتفا

کریں گے جنہیں اس واقعات کے نشو ونمو سے تعلق ہے۔ اور جن پر تحریرات ومباحث کی بنا ہے۔ ہم یہ کوشش
کریں گے کہ اصل مسئلہ کو صاف کیا جائے۔ بکمال وضاحت پبلک پر ظاہر کر دیا جائے۔ کہ ہم کیا کہتے ہیں۔ اور ہمارے
مقابل کیا۔ اور مابہ النزاع کیا ہے؟ قطع نظر اس بحث ومباحثہ ومناظرہ قرأت وکتابت کتاب کے دیکھنے سے
معلومات میں اضافہ ہو۔ اور معارف نبوّت وامامت حاصل ہوں جو کہ دین ودُنیا میں کام آئیں۔ انشاءاللہ ایسی کتاب
نہ ہوگی۔ کہ ناظر ساری کتاب دیکھ جائے اور پتہ نہ لگے۔ کہ لکھنے والے نے کیا لکھا اور کیا کہا ہے۔ اور اُسے
ان عقائد میں سے کس عقیدے پر قائم وثابت رہنا چاہیئے۔ اور اصل عقیدہ مصنّف ومؤلف کے نزدیک
کیا ہے۔ جو دلائل عقلیہ ونقلیہ سے مسلّم ومبرہن ہو۔ جیسا کہ مؤلف رسالہ "اظہار حق" نے کیا ہے۔ البتہ ناظرین
سے ہم یہ التماس ضرور کرتے ہیں۔ کہ وہ کتاب کو غور سے مطالعہ فرمائیں۔ اور حدیث مشہور ومعروف اُنظُر اِلٰی
مَا قِیْلَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ" (جو بات کہی گئی ہے۔ اُس میں نظر وفکر کرو۔ یہ نہ دیکھو۔ کہ کہنے والا کون
ہے۔ مخالف ہے یا موالف) کو اپنا دستور العمل قرار دیں۔ ہمیشہ اس کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ صداقت ہی دین و
دُنیا میں فلاح وصلاح بخشنے والی چیز ہے۔ صداقت ہی دین ہے۔ انسان کبھی اس سے چشم پوشی نہ کرے۔
تائیدِ حق واظہارِ حق ہی کو اپنا فرض سمجھے۔ اور حق کو کبھی نہ چھپائے۔ مقام تدیّن میں حق کو ضرور ظاہر کرے۔ اور
اُس کا اقرار کرے۔ اگرچہ خود اُس کے نفس کے بخلاف ہی ہو۔ یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین بالقسط شہداء
للہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین (نساء ع ۲۰)۔ مشہور ہے۔ کہ "حب الشئ یعمی ویصم"
(چیز کی محبت انسان کو اندھا وبہرا بنا دیتی ہے)۔ یعنی جب کسی کو کسی چیز کی یا کسی شخص کی یا کسی مذہب کی وغیر ذالک
بے انتہا محبت ہو جاتی ہے۔ تو نہ اُس کی آنکھ اُس کی بُرائیاں دیکھ سکتی ہے۔ اور نہ کان اُس کی مذمتیں سُنتے
ہیں۔ خواہ کیسا ہی کوئی عالم اُس کے سامنے تقریر کرے۔ اور اُس کے محبوب کی بُرائیاں ثابت کر دے۔ اُس کو
ہرگز یقین نہ ہوگا کیونکہ ذہن آنِ واحد میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا۔ اُس کا ذہن متوجہ ہے۔ ہر وقت اپنے
محبوب ومطلوب کی اچھائی کی طرف کتنا ہی کہو۔ اُس کی بُرائی کی طرف نہ جائیگا۔ لہذا ضروری ولازمی ہے۔ کہ کسی
مختلف فیہ امر میں سوچنے اور کسی ایسے امر میں غور کرنے کے لئے جو اُس کے خلاف ہو۔ انسان کو پہلے خیالات
وتصورات سے اپنے ذہن کو خالی کرنا چاہیئے۔ بلا اس کے کبھی درست فیصلہ نہیں دیا جا سکتا۔ اور حق وباطل
میں تمیز نہیں ہو سکتی۔ جس طرح کسی شخص یا کسی شے کی نسبت انسان کی بدظنی بعض اوقات نہایت مضر ثابت ہوتی
ہے۔ اسی طرح بعض حالات میں انتہائے حسن ظن بھی مضرت رساں اور گمراہی میں ڈالنے والا ثابت ہوتا ہے
اور "اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" (بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) دونو قسم کے ظن سے متعلق ہے یعنی جس
طرح بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اسی طرح بعض حسن ظنیاں بھی گناہ شمار ہو سکتی ہیں۔ عقلاء کے نزدیک وہ

لوگ مستحق مدح نہیں سمجھے جاتے۔ جو اندھا دھند کسی کے پیچھے لگ لیں۔ اور تدبر۔ تفکر۔ تأمل۔ تعقل سے کام نہ لیتے ہوں۔ اور قوت تمیز (عقل) کو مقام استعمال میں استعمال نہ کرتے ہوں۔ انسان و حیوان میں مابہ الافتراق جوہر عقل ہی ہے۔ جو لوگ اس کو کام میں نہ لائیں۔ اُن میں اور دیگر حیوانات میں کوئی فرق نہیں۔ بلکہ ایسے لوگ فصحاء و بلغاء عقلاء اور نیز عند اللہ چارپایوں سے بھی بدتر ہیں۔ اور عوام کالانعام کہلاتے ہیں "اَلْعَوَامُ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" (عوام جہال مثل چارپایوں کے ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی بدتر و گمراہ تر)۔ جو اس جوہر نورانی سے کام نہیں لیتے۔ اُنہی کے حق میں حق سبحانہ وتعالے فرماتا ہے "لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا" اُن کے کان ہیں مگر اُن سے سنتے نہیں "لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا" اُن کی آنکھیں ہیں۔ مگر اُن سے دیکھتے نہیں "لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا" اُن کے دل ہیں۔ مگر اُن سے ادراک نہیں کرتے" یعنی یہی لوگ کانوں کے بہرے آنکھوں کے اندھے نام نین سکھ۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے بھیجے کی پھوٹ گئی ہیں یہ تمام اعضاء و قویٰ کام لینے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ جب انسان اپنے ضمیر و کانشنس کی خلاف ورزی پر تلا ہے۔ اور برخلاف ہی کرے۔ اور اُس کی ملامت سے متأثر نہ ہو۔ تو پھر کانشنس مر جاتا ہے۔ اور ملامت چھوڑ دیتا ہے۔ جب عقل سے تعقل نہ کیا جائے۔ تو عقل ادراک سے جاتی رہتی ہے۔ اور یہ استعداد و قابلیت گویا اُس سے سلب ہو جاتی ہے۔ جن لوگوں نے باوجود خدا کی بیشمار نشانیوں کے موجود ہونے کے اُس کو نہ پہچانا۔ اور اُس کی آیات بینات جو ہر موجود اور اُن کے نفسوں میں موجود ہیں۔ ان میں غور نہ کیا۔ اور کافر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قوت ادراک و احساس اُن سے جاتی رہی۔ اور مؤثر حقیقی کے اثر سے وہ قابلیت و استعداد گویا سلب ہو گئی۔ اس لئے اُن کے حق میں فرمایا "اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" (تحقیق وہ لوگ جو کافر ہو گئے ہیں۔ اور ہماری آیات کے منکر اور ہماری نعمت ہدایت کے ناشکر گزار ہیں۔ اے پیغمبر ان کے لئے مساوی ہے۔ خواہ تو انہیں ڈرا یا نہ ڈرا۔ اب وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ نے اُن کے عدم تدبر و تعقل کی وجہ سے اُن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ کہ وہ حق کو دیکھتے ہی نہیں ہیں اور ہماری آیات و نشانیوں سے ہدایت نہیں پکڑتے۔ اور اُن کے لئے بہت بڑا عذاب ہے)۔ مطلب یہی ہے۔ کہ تدبر و تعقل و تأمل نہ کرنے سے اُن کے قوائے ادراکیہ و احساسیہ سلب ہو گئے ہیں۔ پھر اب اُن پر کیا اثر ہو گا۔ خدا جا بجا انہی لوگوں کی مدح و ثنا کرتا ہے۔ جو اپنے نور عقل کی نورانیت سے کام لیتے ہیں۔ تدبر و تعقل کرتے ہیں۔ اور اسی واسطے ہر اُس شخص سے جو دعوائے صداقت کرے۔ خدا دلیل و برہان طلب کرتا ہے "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔

تو دلیل و برہان اللہ۔ خدا کو یہ پسند ہے کہ "لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ" اس کو بہت مکروہ جانتا ہے۔ کہ یہ کہدیا جاتے۔ کہ ہم ہمیشہ سے انہی باتوں اور رسوم و رواجات کے پابند چلے آتے ہیں۔ اور ہم نے اپنے باپ دادا کو بھی انہی رسوم کا پابند اور انہی اعتقادات کا معتقد پایا ہے۔ "إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ" (زخرف ع ۳) ہمارے احباب خصوصیت کے ساتھ اس حکم کی پابندی کے مستحق ہیں۔ کیونکہ مذہب شیعوں کا یہ ہے۔ کہ چیزوں کی بھلائی یا برائی عقلی ہے۔ شرع میں اُسی چیز کو بُرا کہا گیا ہے۔ جو در اصل بُری ہے۔ اور اُسی شے کو اچھا کہا گیا ہے۔ جو فی الحقیقت اچھی ہے۔ اس لئے ان میں تدبّر و تعقّل نہایت ضروری ہے +

معیار عقل و ہدایت کے جو بہترین اصول خداوند عالم علیم و حکیم ازلی نے مقرر کئے ہیں۔ اُنکو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ "وَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُو الْأَلْبَابِ"۔ اے ہمارے حبیب ہمارے اُن بندوں کو نعیم اُخروی کی بشارت و خوشخبری دیدو۔ جو بات کو کان لگا کر سُنتے ہیں۔ اور جو سب سے بہتر بات ہوتی ہے۔ اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔ اور یہی اہل عقل و اہل لُب بات کے جوہر و اصل کو پہنچنے والے ہیں۔ اگر انسان ان اصول پر کاربند ہو جائے۔ اور ان کا پابند رہے۔ تو میں یقین کرتا ہوں۔ کبھی غلطی نہ کھائیگا۔ مگر بہت دشوار ہے۔ خواہشات کب چھوڑتی ہیں۔ اور عادتیں و تخصیصات کیوں پابند ہونے دیتی ہیں۔ بہت اچھے ہیں وہ لوگ۔ جن کو یہ دولت نصیب ہے۔ "فَطُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ" +

بنی نوع انسان میں ایک دوسرے کی تائید۔ امداد و اعانت خصوصاً اپنی قوم کے افراد میں اور بالخصوص اپنے خاندان میں نہایت ضروری و لازمی ہے۔ اور بہت ہی اچھی چیز خیال کی جاتی ہے۔ معاشرت اسی پر موقوف ہے۔ اور تدیّن و تمدّن کا مدار اسی پر ہے۔ لیکن اعانت و امداد و تائید کے لئے بھی ایک معیار مقرر ہے۔ اور ایک حد معیّن ہے۔ اُس سے باہر وہ اعانت یا تائید حسن نہ رہیگی۔ قبیح ہو جائیگی۔ بلکہ قبیح تر۔ اور وہ معیار قول تعالےٰ ہے۔ "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (مائدہ ع ۲) یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کی اعانت و امداد کرو۔ اور گناہ اور ظلم کے کام پر کسی کی اعانت نہ کرو۔ جہاں ظلم و اثم لازم آئے۔ وہاں اعانت و امداد و تائید ہرگز جائز نہیں۔ کسی مخلوق خدا و بندۂ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری۔ اعانت۔ امداد۔ نصرت اور حمایت اُسی وقت تک جائز و مباح و ممدوح و محمود ہے جب تک کہ معصیت خدا لازم نہ آئے۔ حدیث میں ہے "لا طاعة لمخلوق في معصية الله"

[illegible] زندہ رہے +

معصیت خدا میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ خواہ بنا بر مشہور اُس کو دُنیاوی معاملہ کہا جائے یا دینی۔ بلکہ خلاف دین کسی کی تائید عین الحاد ہے۔ بلکہ در اصل اُس شخص پر ظلم ہے جس کی تائید کی جا رہی ہے۔ کہ وہ غلطی و خطا پر پختہ ہو جاتا ہے۔ تائید ہمیشہ حق کی چاہیئے۔ خواہ اپنے عزیز ہی کے مقابلہ میں کیوں نہ ہو۔ عہ "لَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ" (مائدہ ع ۷)۔ بندگان خدا میں بعد رسول و ائمہ ہُدیٰ کے والدین کی فرمانبرداری نہایت ہی اہم و ضروری ہے۔ اور عقوق والدین (اُن کی نافرمانی) موجب عذاب الیم۔ لیکن یہ فرمان بھی اُسی وقت تک ہے۔ جب تک کہ اس کا تعلق دین سے نہ ہو۔ امور دین میں خلاف حق اُن کی تائید و اطاعت کفر ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (لقمان)۔ یعنی خداوند عالم بعد وصیت بہ والدین ارشاد فرماتا ہے۔ "اگر تیرے والدین اس بات پر تجھ سے مجاہدہ کریں۔ کہ تو میرے ساتھ اُن کو شریک کرے۔ جس کی بابت تجھے علم نہیں ہے (خواہ ذات میں ہو یا صفات میں۔ عبادات میں ہو یا افعال میں)۔ تو اس امر میں اُن کی اطاعت نہ کر۔ اور دُنیا میں اُن کے ساتھ نیکی سے بسر کر۔ اور اُس کے راستے کی پیروی کر جس نے ہماری طرف رجوع کیا ہے۔ پھر تم سب کی بازگشت میری ہی طرف ہے۔ پس میں تم کو خبر دونگا اُن باتوں کی۔ جو تم نے کی ہیں"۔ جناب امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ "بِرُّ الْوَالِدَيْنِ وَاجِبٌ وَاِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ وَلَا طَاعَةَ لَهُمَا فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ وَلَا لِغَيْرِهِمَا فَاِنَّهٗ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ" (العیون)۔ یعنی "والدین کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے۔ اگرچہ وہ مشرک ہی ہوں۔ اور ایسے امر میں اُن کی اطاعت نہ چاہیئے۔ جس میں معصیت خدا لازم آئے۔ اور نہ ایسے معاملے میں والدین کے سوا کسی اور کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جب معصیت خالق ہو۔ تو کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔ اس قسم کی احادیث بیشمار ہیں۔ نتیجہ یہی ہے کہ دین خدا و کلام خدا کے مقابلہ میں کسی کی اطاعت نہ چاہیئے۔ اور خلافِ حق تائید کفر ہے۔ اس لئے ہمارا فرض ہوگا کہ حق کو حق سمجھ کر صاف ظاہر کر دیں۔ اور کسی کی پرواہ نہ کریں۔ خواہ باپ ہی کیوں نہ ہو۔ عہ "وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ" عہ "وَالْحَقُّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ"۔ ہر شخص اپنے قول و فعل میں ماخوذ ہے۔ اور اس سے یہ عہد لیا گیا ہے۔ کہ وہ بجز حق کچھ نہ کہے۔ عہ "اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيْثَاقُ الْكِتَابِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ"۔

بناءِ مباحثہ۔ رسالہ شیعہ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں ایک استفسار مع جواب جناب مولانا سید ناصر حسین صاحب دام ظلہ العالی کے نام سے شائع ہوا تھا جس کا ماحصل یہ تھا۔ کہ "جناب سید المرسلین و خاتم النبیین صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم تا وقت بعثت یعنی تا زمانہ اظہار نبوت چالیس سال کی عمر تک ملکہ قرأت و کتابت

عہ خدا فرماتا ہے۔ لوگوں سے نہ ڈرو۔ مجھ سے ڈرو۔ عہ دین خدا میں کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ عہ حق اسی کا سزاوار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ عہ کیا ان سے یہ عہد نہیں لیا گیا ہے کہ وہ خدا پر سوائے حق کے کچھ نہ کہیں

(لکھنے پڑھنے کا ملکہ) نہ رکھتے تھے۔ اور جناب سر اللہ فی العالمین امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ نے بنابر قول اظہر لکھنا پڑھنا سوائے خدا اور رسولؐ خدا کسی دُوسرے سے سیکھا۔ البتہ اُستاد کا نام معلوم نہیں ہُوا۔ کہ کس سے سیکھا"۔ اس مضمون کو دیکھکر بعض علماءِ پنجاب کو سخت صدمہ ہُوا۔ اس وجہ سے کہ چہاردہ معصومینؑ کی نسبت یہ آمانا اس سے پہلے کان میں نہ پڑی تھی۔ کہ یہ بزرگوار بھی مثل دیگر عوام کسی ادنےٰ یا اعلےٰ علم کو کسی دُوسرے سے اکتساب کرتے ہیں۔ کیونکہ بچپن سے ہر ایک شیعہ یہی اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ یہ سب خدا ہی کے پڑھائے ہوتے ہیں۔ اور کسی وقت میں بھی جہالت و ضلالت کی نجاست و خباثت سے ان کا دامن عصمت و طہارت آلودہ نہیں ہوتا۔ نہ یادہ ملال کا باعث ایک یہ امر بھی ہُوا۔ کہ یہ تحریر ایک ایسے عالم جید کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ جس کا زہد و اتقاء و علم و فضل مشہور ہے۔ اور جس کا خاندان خصوصیت کے ساتھ نشرِ فضائل اہل بیت و نصرت دین میں معروف۔ ایسی صورت میں اس خاندان کی طرف سے اہلبیت علیہم السلام کے باب میں ادنےٰ سی منقصت کا ظاہر ہونا بھی جس قدر تعجب خیز و ملال انگیز ہو کم ہے۔ پھر ایک مسلّم شیعہ رسالے میں اس کی اشاعت نے اس ملال کو اور بھی بالمضاعف کر دیا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے۔ کہ مسئلہ معمولی ہے۔ اور اس کے اعتقاد سے بخیال مخاطبین کسی دینی اصل میں خلل نہیں واقع ہوتا لیکن ایک عارف و محب اہلبیتؑ کے لئے بلاشبہ ادنےٰ سی منقصت بھی ویسی ہی ولم و درد انگیز ہوسکتی ہے جیسا کہ ایک بڑے سے بڑا عیب ہر ایک کا منتہائے خیال اور مطمح نظر علیحدہ ہوتا ہے۔ ایک کامل فقیہ بنا بر بعض روایات پیغمبرؐ یا امام کے لئے سہو و نسیان کا قائل ہوسکتا ہے۔ اور کہ سکتا ہے۔ کہ امام کو سہو و نسیان سے معصوم جاننا غلو ہے۔ لیکن ایک متکلم و فلاسفر متشرع عارف کامل یہی کہیگا۔ کہ نبی کے لئے سہو و نسیان کا قائل ہونا اوّل انکار نبوت ہے۔ بنابریں ممکن ہے۔ کہ ایک فقیہ یا ادیب کے نزدیک جناب امیر المومنینؑ کے لئے بعض علوم کا کسی دُوسرے سے اکتساب کر لینا باعث منقصت و قادح فی الامامت نہ ہو۔ لیکن اگر اُس عارف متکلم و حکیم متشرع کے نقطۂ خیال سے دیکھا جائے۔ تو یقیناً امام کے لئے کسی دُوسرے سے اکتساب کا قائل ہونا اگرچہ بعض ادنےٰ علوم ہی میں کیوں نہ ہو۔ اوّل انکار امامت ہے۔ اور اس لئے وہ اس خیال سے کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ سائل جو یہ دریافت کرتا ہے۔ کہ جناب امیرؑ نے کسی سے تعلیم پائی۔ شیعہ نہیں۔ اور نہ وہ مجیب شیعہ ہوسکتا ہے۔ جو حضرتؑ کو غیر خدا و رسول کسی کا شاگرد بتلائے۔ کیونکہ شیعوں کا اعتقاد اس کے نزدیک یہی ہے۔ کہ یہ سب خدا ہی کے پڑھائے ہوتے ہیں۔ اور اس لحاظ سے یہ معترض نہ گنہگار ہوسکتا ہے اور نہ معاذاللہ تذلیل و توہین علماء کا مجرم خصوصاً جبکہ وہ اپنے علماء کی نسبت ایسا حسن ظن رکھتا ہو۔ کہ انکی طرف سے اہلبیتؑ کی نسبت کسی ادنےٰ سی منقصت کا اظہار بھی ممکن نہ جانتا ہو۔ اگر غور و تامل سے کام لیا جائے۔ تو اس کی ایک صلیت

بھی ضرور معلوم ہوگی۔ اور ظاہر ہوگا۔ کہ اگر ہم بعض علوم میں ائمہؑ کے لئے قائل ہو جائیں۔ کہ انھوں نے بطریق مروج غیر خدا و رسولؐ سے سیکھے ہیں۔ تو پھر ہرگز کسی دلیل سے ہم ثابت نہیں کر سکتے۔ کہ وہ علوم موہبتی لدنی رکھتے تھے۔ اور سب باتیں خدا ہی کی طرف سے جانتے تھے۔ اس شخص کے نزدیک جو یہ اعتقاد رکھتا ہے۔ کہ یہ بزرگوار خدا کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان کا علم موہبتی لدنی ہوتا ہے۔ یہ امر ضرور بعید از عقل و بعید از قیاس معلوم ہوگا کہ سارے علوم و فنون تو اُن کو بطور موہبت عطا ہوئے ہوں۔ اور ایک علم بطریق مروج و مرسوم مثل عوام الناس دوسروں سے حاصل کیا ہو۔ جہاں سارے علوم خدا نے دئے تھے۔ یہ علم کیوں نہ بخش دیا۔ یقیناً اس اعتقاد کے بعد ائمہؑ کے لئے علم لدنی موہبتی کا کوئی اطمینان بخش ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ اور ائمہ اہلبیتؑ و دیگر علماء شیعہ میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ انھوں نے بھی پڑھ کے ترقی کی۔ عالم ہو گئے۔ انھوں نے بھی پڑھ پڑھ کر اس منصب کو حاصل کر لیا۔ زید و عمرو و بکر پر اُن کو کوئی خاص فضیلت نہیں ہو سکتی۔ ان خیالات و اعتقادات کی بنا پر اگر ایک عالم شیعہ محب اہلبیت جوش محبت میں کوئی اعتراض کرے۔ تو ہرگز قابل ملامت نہیں ہے۔ لیکن میں یہ ضرور کہوں گا۔ کہ اہل پنجاب کی طرف سے جو اعتراض کیا گیا۔ سخت لہجے میں کیا گیا۔ خواہ کسی بنا پر کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو بہتر ہوتا۔ مگر ہر عاقل بصیر جانتا ہے۔ کہ اس سختی کا خمیازہ اگر اٹھانا پڑتا۔ تو نفس معترض کو یا شائع کنندہ کو۔ لہٰذا اس سخت لہجے کے جواب میں اگر سخت کہا یا لکھا جاتا۔ تو صرف جناب معترض مولوی محسن علی شاہ صاحب یا اڈیٹر ناظم السند کو۔ نہ یہ کہ نبی یا امام میں نقص و عیوب ثابت کئے جائیں۔ اور ان باتوں کو شائع کیا جائے جس سے مذہب شیعہ کو سخت صدمہ پہنچے۔ مخالفین ہنسیں۔ اور اُن کو لب کشائی کا موقع ملے۔ وہ باتیں اُن کو خود شیعوں کی تحریروں سے ہاتھ آئیں۔ جن کو وہ خود ثابت نہ کر سکتے تھے۔ اور اس طرح سے نبوت و امامت کی بنیاد کو مخالفین کے لئے نہایت کمزور و مضمحل کر دیا جائے۔ بلکہ تمام اصول مسلمہ مذہب شیعہ کو درہم برہم کر دیا جائے۔ تمام تر کوشش اس امر میں صرف کی جائے۔ کہ نبی و امام میں کوئی نہ کوئی کمی ضرور نکال دی جائے۔ لیکن کسی طرح بھی اپنی غلطی ثابت نہ ہو۔ اُن کا دامن عصمت کسی شک و شبہ سے آلودہ نہ ہو۔ اور اُن کے علم میں کسی قسم کا نقص و عیب ظاہر نہ ہو۔ حالانکہ یہ غلطی ہے۔ عالم کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو۔ پھر بھی غلطی کا امکان اس میں موجود ہے۔ اور وہ کسی طرح معصوم نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کاملین سے غلطیاں ہو گئی ہیں۔ اُن پر اعتراض کئے گئے ہیں۔ بلکہ خود اُن کے ہی شاگردوں نے غلطیاں پکڑی ہیں۔ جیسا کہ عالم بصیر پر پوشیدہ نہیں۔ کونسا عالم ہے۔ جس کی نسبت یہ یقینی طور سے کہا جا سکے۔ کہ اُس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی۔ جو کچھ اُس نے لکھا ہے۔ جو کچھ کہا ہے۔ وہ سب حرفاً بحرفاً حق و صدق عین مطابق منشاء الٰہی ہے۔ انسان کیسا ہی عالم کیوں نہ ہو۔ علم اُس کا ناقص ہے۔ اور بہت سی باتوں سے جاہل ہو سکتا ہے۔ اور عالم کو عالم بالاضافہ کہا جاتا ہے۔ نہ کہ عالم علی الاطلاق۔ کوئی کسی چیز کا عالم ہے۔ کوئی کسی

کا۔ کوئی کامل فقیہ ہے۔ تو کوئی کامل متکلم۔ ایک علم حدیث میں کمال رکھتا ہے۔ تو دوسرا علم تفسیر میں۔ وغیر ذالک۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص تمام علوم میں کامل ہو۔ جیسا کہ فقیہ ہے۔ ویسا ہی متکلم و محدث مفسر و مؤرخ ادیب اور حکیم بھی ہو۔ یہ شان کہ کسی مسئلے کے جواب میں یہ نہ کہے۔ کہ میں نہیں جانتا پیغمبرؐ یا امامؑ یعنی حجۃ اللہ کی ہے "الحجۃ من لا یقول لا ادری" حجۃ اللہ وہ ہوتا ہے۔ جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے۔ کہ میں نہیں جانتا نہ کہ عالم کی۔ اس لئے بہت ممکن ہے۔ کہ عالم سے کسی اُصولی مسئلہ میں غلطی یا تسامح ہو جائے۔ کسی غلطی کا ہو جانا عیب نہیں۔ بشریت ہے۔ لیکن اس پر اصرار ضرور نامناسب ہے۔ خصوصاً ایسے علماء کی شان سے یہ بھی ممکن ہے۔ کہ اُس مسئلہ کو اُن سے کم درجے کا عالم جانتا ہو جبکہ مشاہدہ و محسوس ہے۔ کہ بعض اوقات شاگرد اُستاد کی غلطی پکڑ لیتے ہیں۔ بناءً علیہ اس امر کے لئے جان توڑ کر کوشش کرنا کہ کسی طرح جناب مولنا کی عبارت کو صحیح بنایا جائے۔ ممکن ہے بے سود ہو۔ بلکہ موجب گناہ و فساد عظیم فتوے کی عبارت اردو ہے۔ جس کو ہر ذی فہم و ذی شعور اردو دان سمجھ سکتا ہے لیکن اُس کی دس دس طرح سے تاویلیں کی جارہی ہیں۔ ایک مؤید کچھ تاویل کرتے ہیں۔ تو دُوسرے صاحب کچھ۔ اور مختلف معانی بیان کئے جا رہے ہیں۔ گویا مولانا کی اردو عبارت نہیں ہے۔ بلکہ ایک آیت متشابہ منزلہ من اللہ ہے۔ جس کی تفسیر و تاویل راسخون فی العلم حضرات فرما رہے ہیں۔ اور اہلِ پنجاب پر بلاوجہ لعن طعن کئے جاتے ہیں۔ اور بُرا کہا جاتا ہے۔ اور ان کو اُلٹا توہین علماء کا الزام لگایا جاتا ہے۔ متعدد حضرات اس مسئلہ پر جناب مولانا موصوف کی تائید میں خامہ فرسائی فرما چکے اور فرما رہے ہیں۔ مگر نہایت افسوس سے کہا جاتا ہے۔ کہ آج تک چھ سات سال کے عرصۂ دوران بحث میں سوائے ایک اڈیٹر الحق لاہور (سید صغیر حسن قتیل) اور کوئی شخص ایسا نہ نکلا۔ جو جناب مولانا کے بالمقابل حضرات معصومینؑ کی حمایت و تائید میں بھی کچھ لکھے یا کہے یا علامہ کنتوری صاحب کا جواب دے۔ یا کم سے کم اُن کے برخلاف لکھنے والوں کو روکے۔ ائمہ علیہم السلام ہمیشہ مظلوم رہے ہیں۔ اور اب بھی ہیں۔ بلکہ زیادہ تر ظلم اپنوں ہی کے ہاتھ سے ہوئے۔ ظلم کے یہی معنی نہیں۔ کہ اُن کو قتل کیا جائے یا زہر دیا جائے۔ بلکہ اُن کی مسلمہ فضیلت کو چھپانا اور حق پوشی کرنا بھی ظلم ہے۔ نہ کہ اُن کی تائید کرنا ظلم۔ بالکل صحیح ہے۔ اور حق ہے۔ اگر ایسی صورت میں ہم یہ کہیں۔ کہ

"من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم + کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد"

کیونکہ اگر مخالفین کی طرف سے ایسا ہوتا۔ تو اتنا صدمہ و ملال نہ ہوتا۔ اور نہ ایسا سفر ثابت ہوتا جیسا کہ مر القین اہدہ عیان محبت و مودت اہلبیتؑ سے اسی چودھویں صدی میں ظاہر ہو رہا ہے +

اگر تدبر و اخلاص سے کام لیا جاتا۔ تو اس بحث کے روکنے اور مولانا سید محسن علی شاہ صاحب کے خاموش و ساکت کرنے کے لئے ہمارے نزدیک جناب مولانا دام ظلہ العالی یا کسی دوسرے عالم بزرگ کا ایک پرائیویٹ خط کافی ہوتا۔ اور بالفرض اگر بحث ہوتی بھی۔ تو پرائیویٹ خطوط ہی میں منحصر و محدود رہتی۔ یا عالمانہ و محققانہ ہوتی۔ بصورتِ موجودہ اخبارات کے کالموں میں دکھائی نہ دیتی۔ دشمن اس طرح نہ ہنستے۔ اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی رسوائی نہ ہوتی۔ اور اس مختصر سی مظلوم جماعت کے دو ٹکڑے نہ ہوتے۔ یا دو گروہ نہ کہلائے جاتے۔ مگر جناب مولانا موصوف نے نہ معلوم کیوں ایسا نہ کیا۔ اور ان کے مویدین کی تعلّی نے بحث کو نہایت قبیح صورت میں بدل دیا۔ بجائے اس کے کہ نرمی سے بحث کو نرم کیا جاتا۔ جناب ممتاز الافاضل کے مضمون نے جس کی سرخی "کلام ما فہمیدن مشکل است نہ کہ برما اعتراض کردن" ہے۔ اہل پنجاب کے زخمی دلوں پر نمک پاشی کا کام دیا۔ جس میں آیہ مجیدہ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان الخ کو تحریر کر کے علاوہ نفی نبوت و کتابت بظاہر یہ بھی ثابت کیا گیا ہے۔ کہ معاذ اللہ پیغمبرؐ ایمان سے بھی تا زمانہ بعثت عاری تھے۔ اور جس کی تصریح جناب علامہ کنتوری صاحب نے فرما دی ہے۔ ناظرین انصاف فرما سکتے ہیں۔ کہ جن کے اعتقاد میں پیغمبرؐ ابتدائے خلقت سے نبی مطلق و ولی مطلق مثل اعلٰی الٰہی اول ما صدر و افضل ما خلق عین حقیقت کمال معدن علوم و مصدر فیوضات الٰہیہ ہو۔ اس کو اس پیغمبرؐ کے چالیس سال تک دولت ایمان سے بے بہرہ ظاہر کئے جانے سے کیا کچھ صدمہ نہ پہنچیگا۔ اور کیوں اس کو گمان نہ ہوگا۔ کہ ان حضرات کے نزدیک پیغمبرؐ و امامؑ کی کوئی وقعت نہیں۔ اور کیونکر بحث کی یہ صورت نہ ہوگی "خود کردہ را علاجے نیست" پھر اس پر جناب عمدۃ الافاضل صاحب ایڈیٹر الوارث نے جو ستم ظریفی دکھلائی۔ اس کا فیصلہ ناظرین ہی کے انصاف پر چھوڑا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا لکھا۔ عبارت آگے چل کر نقل کر دی جائیگی۔

بحث کی صورت موجودہ اور اس کی اصلی علت

ایک طرف انتہائے حسنِ ظن اور دوسری جانب سے انتہا بدظنی اس کا اصلی باعث ہے۔ مباحثے علماء میں پہلے بھی ہوتے رہے علماء میں ایک دوسرے پر اعتراض ہوتے رہے ہیں۔ اور ہوتے ہیں۔ لیکن یہ صورت کبھی پیش نہیں آئی۔ جو اس مباحثے میں آ رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ مباحثے عالمانہ مباحثوں کی صورت میں ہوتے تھے۔ اور عموماً نیک نیتی پر مبنی۔ اور مخالفتیں یا بدظنیوں کے لباس سے ملتبس ہو کر پولیٹیکل ملکی اور سیاسی لڑائیوں کی صورت اختیار نہ کرتے تھے۔ کسی عربی النسل اور عجمی المولد عالم کا مناظرہ و مباحثہ عرب و عجم کی پولیٹیکل لڑائی نہ سمجھا جاتا تھا۔ ایران میں شور نہ مچتا تھا۔ کہ آؤ اکٹھے ہو۔ اور مقابلہ کو نکلو۔ عرب نے ایران پر چڑھائی کی ہوئی ہے۔ جس طرح اور جس صورت سے بھی ممکن ہو۔ دفاع کیا جائے۔

اور اصول "الحرب خدعۃ" (لڑائی دھوکے بازی کا نام ہے) میں سے کسی جزوی اصل کے استعمال کو بھی ترک نہ کیا جائے۔ اور کسی قسم کی فروگذاشت نہ ہونے پائے۔ مگر بدقسمتی سے یہاں ایسا ہوا۔ لکھا گیا اور چھاپا گیا کہ پنجاب والوں نے لکھنؤ پر چڑھائی کی ٹھوٹی ہے۔ ایک شخص آیا ہے۔ اور اُس نے تمام صوبۂ پنجاب پر قبضہ کر لیا ہے۔ اور ایک صوبہ گویا اُن کے حدود تصرف سے خارج ہو گیا ہے۔ اور ان لوگوں کا پہلا کام یہ ہے کہ علماء کی توہین و تذلیل کرتے ہیں۔ اور ان کی وقعت لوگوں کے دلوں سے نکالتے ہیں۔ وغیر ذالک (دیکھو تہافۃ الفلاسفۃ جناب علامہ کنتوری)۔ اور اس سے ایک علمی بحث کو پنجاب اور ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی پولیٹیکل اور سیاسی جنگ بنا دیا۔ اور اس لئے خلط مبحث کیا گیا۔ اور الحرب خدعۃ کے جملہ اصول کو باحسن وجہ نہیں بلکہ باقبح وجہ کام میں لایا گیا اور لایا جا رہا ہے (دیکھو رسالہ اظہار حق مؤلفہ مولوی صغیر حسن باسٹوی و تہافت الفلاسفہ) اگر ایسا نہ کیا جاتا۔ اور علمی مباحثہ کو پولیٹیکل جنگ نہ بنایا جاتا۔ تو قوم میں یہ اختلاف نہ ہوتا۔ اگرچہ میں یہ ضرور کہوں گا کہ اہل پنجاب کی نسبت جو بیہودہ اور غلط خبریں علماء لکھنؤ کثرہم اللہ کو پہنچی ہیں۔ اور اُن کو بدظن کیا گیا ہے۔ ان کا سب یا اکثر کا منبع لاہور ہی ہے۔ اور یہ سب برگ و بار اور پھول و پھل شجرۂ لاہور ہی کے ہیں۔ لیکن علماء کی یہ شان نہیں۔ کہ ایسی مہمل اور لغو خبروں کو بلا جرح و تعدیل اور معیار صداقت پر پرکھے ہوئے صحیح اور سچ سمجھ کر اُسی پر نتائج بھی مرتب کر لیں۔ اور کسی عالم متدین متشرع کی نسبت مثلاً تکفیر یا تفسیق کا فتویٰ دے دیں۔ یا اکثر مومنین پنجاب کو اس بنا پر خارج از اسلام یا تشیع یا کسی مذہب جدید کا پیرو تصور فرما لیں۔ خصوصاً جبکہ مخبر فاسق و فاجر ہو۔ اور "اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا" (عله) خداوند عالم فرمائے۔ اور مثل مشہور ہو۔ "کلام العدیٰ ضرب من الهذیان الی للتوضیح والبیان"۔ دشمن کا کلام توضیح و بیان سے دور ایک قسم کی بکواس و ہذیان ہوتا ہے۔ اُس پر اعتماد نہ کر لینا چاہئے۔ یہی امر موجب ہے فتنۂ عظیمہ کا۔ اور اسی کی یہ ساری خرابیاں ہیں۔ جو نظر آ رہی ہیں۔ اور آئندہ جو جو گل کھلینگے۔ دیکھنا (آگے آگے دیکھنا ہوتا ہے کیا؟) یہ سچ ہے۔ جب تکبر آتا ہے۔ تو عقل جاتی رہتی ہے۔ اور حسد سما جاتا ہے۔ تو رحم دل سے نکل جاتا ہے۔ اور جب حرص و طمع غالب ہو جائے۔ تو حیاء جو اصل ایمان ہے۔ رخصت ہو جاتی ہے۔ لا دین لمن لا حیاء له۔ جس کو حیاء نہیں۔ اُس کا کوئی دین نہیں۔ انسان کو برے کاموں سے روکنے والی صرف حیا ہی ہے۔ جب وہ جاتی رہتی ہے۔ تو وہ ہر ایک برے سے برا کام نہایت آسانی سے کر سکتا ہے۔ بعض علماء پنجاب کو بدنام کرنا اور علماء اعلام لکھنؤ کثرہم اللہ کو بدگمان کرنا اور اُن کو جھوٹی خبریں پہنچانا اور یہ فتنہ و فساد برپا کرنا تکبر اور طمع کے نتائج قبیحہ ہیں۔ ام یحسدون الناس علی ما اٰتٰهم اللہ من فضله۔ علماء اعلام کا فرض ہے۔ اور لازم ہے۔ کہ ان مہمل اور بے سر و پا خبروں کی تحقیق کریں۔

عله جب فاسق کوئی خبر دے تو پھر گواہ طلب کرو۔

معلوم کریں کہ ان کا منبع کہاں ہے۔ اور ان کا منشاء کیا؟ جملہ مومنین اہل پنجاب جو پہلو میں انصاف جو حق پسند دل اور دل میں نور ایمان رکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر متفق ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ نہ پنجاب کے شیعوں میں کوئی نیا مذہب پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ بعض دشمن حق و دین فروش حضرات کہتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ نہ بابی یا شیخی ملعون فرقوں کا کوئی مذہبی یہاں آیا ہے۔ نہ معاذ اللہ علماء اعلام کی تذلیل و توہین کے لئے کوئی انجمن بنائی گئی ہے (اگر ان کی کوئی اصل ہے۔ تو اس کا مصداق خود ہی اس کے کہنے والے ہیں۔ جو اہل عقل و بصیرت پر پوشیدہ نہیں)۔ ہمارا اگر قصور ہے۔ تو صرف یہی کہ ہم جناب خاتم النبیین افضل المرسلین صلے اللہ علیہ وآلہ الطیبین الطاہرین کو چالیس سال تک جاہل نہیں جانتے۔ اور یہ اعتقاد مثل علامہ کنتوری نہیں رکھتے۔ کہ وہ قبل بعثت ایمان بھی نہ رکھتے تھے۔ اور لا الہ الا اللہ بھی کہنا نہ جانتے تھے۔ اور اس فتوے کو تسلیم نہیں کرتے۔ کہ جناب امیرؑ سوائے خدا و رسول کسی دوسرے کے پڑھائے ہوئے تھے۔ یا کسی ادنے علم کو بھی انھوں نے بطریق مروج کسی غیر شخص سے سیکھا تھا۔ یہی ہمارا قصور ہے اور یہی ہمارا گناہ۔ ضرور ہے۔ کہ ائمہ علیہم السلام کے مقابلہ میں علماء کو ترجیح نہیں دے سکتے۔ ہم کسی عالم دین کی غلطی چھپانے کے لئے امامؑ یا پیغمبرؐ میں کسی منقصت و عیب کے قائل نہیں ہو سکتے۔ ہم امام کی طرح عالم کو مطاع مطلق اور مسموع الکلام علے الاطلاق نہیں جانتے۔ ہم مجتہد کو اولے الامر نہیں سمجھتے۔ ہمارے اعتقاد میں وہ شخص جو اولے الامر میں داخل ہونے کا دعوے کرے تشیع نہیں۔ بلکہ اسلام سے خارج ہے۔ عالم یا مجتہد کو امام کا درجہ نہیں دیتے۔ اس کو اُن خطابات مخصوصہ سے مخاطب نہیں کرتے۔ جو امام ہی کے لئے استعمال ہو سکتے ہیں۔ اور بیشک ہم کسی عالم کو من جانب اللہ حجۃ الاسلام اور قبلۃ الانام نہیں جانتے۔ ہمارے نزدیک من جانب اللہ قبلۃ الانام تو صرف پیغمبرؐ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لیکن علماء دین کی عمداً توہین و تذلیل کفر جانتے ہیں۔ ہم مجرم ہیں۔ تو صرف اسی امر کے۔ کہ ...... مجتہد کے اجتہاد کو تسلیم نہیں کیا یا یہ کہ بعض۔ زمان کی دربارداری کا شرف حاصل نہیں۔ ہم اس کو ملعون جانتے ہیں جو عالم دین کی توہین دیدہ و دانستہ کرے۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ عالم کی عزت کو امامؑ کی عزت پر مقدم نہیں رکھ سکتے۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ پولیٹیکل مصلحتوں کی وجہ سے جاہل کو بھی عالم ہی تسلیم کریں۔ اور دیدہ و دانستہ حق کو چھپائیں۔ ہم اس بات کو بہت بُرا سمجھتے ہیں۔ کہ اپنے ذاتی فائدے۔ جاہ و عزت۔ عہدہ و منصب کی خاطر دین کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ ہم اس امر کو خلاف تدین سمجھتے ہیں۔ کہ خدا و رسولؐ و نصرت دین کے مقابلہ میں اپنی دُنیاوی عزت و آبرو کو مقدم سمجھا جائے۔ جب کہ خداوند عالم نے معیار امتحان ایمان اس آیت کو قرار دیا ہو۔ "قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ" (توبہ ع ۳)۔ یعنی کہہ دو اے پیغمبرؐ کہ اگر تمہارے آباء و اجداد تمہاری اولاد۔

تمہارے بھائی بند۔ تمہاری بیویاں۔ تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہارے مال جنہیں تم کماتے ہو۔ اور تمہاری تجارت جس کی
کساد بازاری سے ڈرتے ہو۔ اور وہ گھر جنہیں پسند کرتے اور عزیز رکھتے ہو۔ تمہیں زیادہ محبوب و پیارے
ہوں۔ خدا اور اس کے رسولؐ اور جہاد راہ خدا سے تو منتظر رہو۔ جب تک کہ عذاب الٰہی کا وعدہ پورا ہو۔ اور خدا
قوم فاسقین کی ہدایت نہیں کرتا۔" انتہٰی۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جو شخص خدا اور رسولؐ خدا اور جہاد راہِ
خدا یعنی نصرت و حمایت و حفاظت دین کے مقابلے میں اپنے کسی عزیز۔ قریب۔ دوست۔ آشنا۔ مال و دولت
کو دوست و محبوب رکھے۔ وہ فاسق فی الاعتقاد ہے۔ پس ہم دین کے مقابلہ میں کسی کو دوست نہیں
رکھ سکتے۔ اور اس کی عزت مقدم نہیں کر سکتے۔ ہمارے نزدیک عالم خواہ عرب کا ہو یا عجم کا۔ ہند کا ہو یا چین
کا۔ یورپ میں ہو یا امریکہ میں۔ یا افریقہ و جاپان میں۔ اگر عالم دین ہے اور عامل ہے۔ تو ہمارے واجب التعظیم
ہے۔ ہم عالم کو اس لئے دوست رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم و تکریم کو واجب جانتے ہیں۔ کہ وہ عالم دین ہے۔
نہ اس لئے کہ مثلاً وہ ہمارا عزیز۔ قریب یا دوست یا ہم وطن یا ہم ملک ہے۔ اور اس لئے وہ اسی وقت تک محبوب
و واجب التعظیم ہے۔ جب تک اخلاق و علمائے و صفات تدین اس میں موجود ہیں۔ اور جب وہ خود ہی مثلاً معاذ اللہ
مخرب اخلاق و مفسد دین ثابت ہو۔ تو ہرگز اس کی وہ تعظیم و تکریم نہیں کر سکتے۔ اور کسی ذاتی غرض کے واسطے دین کے
مقابلہ میں اس کا لحاظ نہیں کر سکتے۔ ہم جانتے ہیں کہ بعد حساب و کتاب ہم سے نصرت و حمایت دین و پیروی
رسولؐ اور محبت و مودت اہل بیت رسولؐ کا سوال کیا جائیگا۔ نہ کسی عالم کی محبت و نصرت کا۔ ہم سے یہ دریافت کیا
جائیگا۔ کہ تم نے امام کو پہچانا یا نہیں۔ اور تمہارا امام کون ہے۔ نہ یہ کہ تم نے فلاں مجتہد لاہور کے اجتہاد کو بھی تسلیم کیا
تھا یا نہیں۔ ہر ایک کے اجتہاد کو تسلیم کرنا ہم پر واجب نہیں ہے۔ اس لئے اگر لاہور یا کشمیر یا حائر کے کسی
..... مجتہد کو نہ مانیں۔ تو مجرم نہیں کہلا سکتے۔ یہ بالکل غلط۔ جھوٹ۔ افترا اور اتہام ہے۔ کہ عمداً علماء کی تذلیل
کی جا رہی ہے۔ ہم ایسے شخص کو ملعون جانتے ہیں۔ ہاں ہم کو خدا نے عقل دی ہے۔ ہم اس کو عالم کہتے
ہیں جس میں علم ہو۔ نہ صرف اس کو جو عالم کے گھر میں پیدا ہوا ہو۔ یا عالمانہ لباس رکھتا ہو۔ بہت عمدہ خوبصورت
عبا قبا پہنتا ہو۔ سر سے اونچا لمبا عصا ہاتھ میں ہو۔ اور گدی نشین پیر ہیں۔ ہم ہر ایک گدی کے پوجنے سے
ضرور قاصر ہیں۔ اور ہم اجتہاد و تقلید کو پیری مریدی نہیں جانتے۔ ایک دینی منصب سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ضرور
ہے۔ کہ ہم بعض خوش اعتقاد احباب کی طرح ایسا حسن ظن نہیں رکھتے۔ کہ ہر شخص کے ہر ایک دعوے کو تسلیم ہی
کر لیں۔ اور بیجا اجتہاد صرف ادعا اور شہرت فی العوام کو قرار دیں۔ درآنحالیکہ ہم کو علم و بصیرت حاصل ہے۔
اور جبکہ ہم اس زمانے کو اس آیت کا مصداق جانتے ہیں۔ "ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس
لیذیقہم بعض الذی عملوا لعلہم یرجعون۔" اور ہمارے سامنے سر اللہ فی العالمین امیر المومنینؑ کا یہ قول

موجود ہے۔ اذا افسد الزمان ثم احسن رجل الظن برجل فقد غرر نفسہ (جب زمانہ فاسد
ہو جائے۔ اور پھر اُس وقت انسان دوسرے انسان سے حسن ظن مطلق رکھے۔ تو خود اپنے نفس کو دھوکہ
دیتا ہے)۔ اور جبکہ جناب صادق آل محمدؐ کی یہ حدیث موجود ہے جس میں علماء کی تفصیل کی گئی ہے۔ قال علیہ
السلام (مصائب المومنین) ان من العلماء من یحب ان یخزن علمہ فلا یوخذ عنہ
فذالک فی الدرک الاول من النار ومن العلماء اذا وعظ انف واذا وعظ عنف فذالک
فی الدرک الثانی من النار ومن العلماء من یری ان یضع العلم عند ذوی الثروۃ ولا یری
لہ فی المساکین وضعا فذالک فی الدرک الثالث من النار ومن العلماء من یذہب فی علمہ
مذہب الجبابرۃ والسلاطین فاذا رد علیہ شئ من قولہ او قصر فی شئ من امرہ غضب فذالک
فی الدرک الرابع من النار ومن العلماء من یطلب احادیث الیھود والنصاریٰ لیغزر بہ علمہ
ویکثر بہ حدیثہ فذالک فی الدرک الخامس من النار ومن العلماء من یضع نفسہ ویقول
سلونی ولعلہ لا یصیب حرفا واحدا واللہ لا یحب المتکلفین فذالک فی الدرک السادس
من النار ومن العلماء من یتخذ علمہ مروۃ وعقلا فذالک فی الدرک السابع من النار یعنی
حضرتؑ فرماتے ہیں۔ کہ (۱) بعض عالم ایسے ہوتے ہیں جو اس بات کو دوست رکھتے ہیں کہ اُن کا علم محفوظ و مخزون
رہے۔ اور اُن سے کوئی کچھ استفادہ نہیں کر سکتا۔ سینے ہی میں لئے چلے جاتے ہیں۔ پس ایسے علماء جہنم کے
پہلے طبقے میں ہونگے۔ اور (۲) بعض عالم ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُن کو وعظ و پند کیا جائے۔ کوئی نصیحت کی بات
کہی جائے۔ تو ناک بھوں چڑھانے لگتے اور غصہ ہوتے ہیں۔ اور خود کسی کو نصیحت و وعظ کرتے ہیں۔ تو لعن
طعن اور لوگوں پر سختی کرتے ہیں۔ نرمی سے کام نہیں لیتے۔ ایسے عالم جہنم کے دوسرے درجے میں ہونگے۔
اور (۳) بعض عالم وہ ہیں۔ جن کے علم کا مصرف اہل ثروت اور دولتمند ہی ہوتے ہیں۔ امراء ہی کے مصاحبین اپنی
علمیت بگھارتے ہیں۔ مساکین کو اُن سے کچھ نہیں پہنچتا۔ ان بیچاروں سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔ پس
ایسے عالم جہنم کے تیسرے طبقے میں جائینگے۔ اور (۴) بعض علماء ایسے ہیں کہ وہ اپنے علم میں جابر اور شاہان
جور کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ پس جب ان کا کوئی قول رد کیا جاتا ہے۔ یا کسی معاملے میں اُن کا قصور ثابت ہوتا
ہے۔ تو وہ غضبناک ہوتے ہیں۔ ایسے علماء جہنم کے چوتھے طبقے میں داخل کئے جائینگے۔ اور (۵) بعض علماء
ایسے پائے جاتے ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ وغیرہ کی احادیث و اقوال یاد کرتے اور جمع کرتے ہیں۔ تاکہ اس
سے اپنے علم کی عزت بڑھائیں۔ کہ وہ ہر مذہب کی احادیث سے واقفیت رکھتے ہیں۔ اور اس سے اپنی
باتوں میں زیادتی کریں۔ پس ایسے علماء جہنم کے پانچویں طبقے میں جائینگے۔ اور (۶) بعض ایسے عالم ہیں۔ جو مسند فتویٰ

پر بیٹھے ہیں۔ اور ادّعا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ پوچھو ہم سے جو دل چاہے۔ حالانکہ وہ علم میں ایسے ہوتے ہیں۔ کہ شائد مسئلہ کا ایک حرف بھی صحیح و درست نہ بتلا سکیں۔ اور اللہ بناوٹیوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پس ایسے علماء جہنم کے چھٹے طبقے میں معذّب ہونگے۔ اور بعض عالم وہ ہیں۔ جو اپنے علم کو مجادلہ و مکابرہ کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اور لوگوں پر ایراد و اعتراض کرنے کے لئے اس کو آلہ لعن و طعن و تیر ملامت بناتے ہیں۔ پس ایسے عالم جہنّم کے ساتویں طبقے میں عذاب کئے جائینگے"۔ (ربّنا احفظنا من شرور انفسنا) ایسی صورت میں کیونکر ممکن ہے۔ کہ ایک بالبصیرت انسان ہر ایک کے ہر ادّعا کو قبول کرے۔ اور ہر بات کو اُس کی تسلیم کرے اور اُس کی تعظیم و تکریم کرے +

ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ یہ چودھویں صدی ہے۔ ہمارے سامنے وہ نمونے موجود ہیں۔ جن کا خاکہ احادیث اہلبیت علیہم السلام میں اس طرح کھینچا گیا ہے۔ اور علائم آخرالزمان بیان کرتے ہوئے سائل سے امام علیہ السلام نے فرمایا ہے "تم دیکھو گے۔ کہ فقہاء احکام شریعت غ۔ وجاہ و طلب دُنیا کے لئے تحصیل کرتے ہیں۔ الخ۔ یا اُس زمانے میں فقہاء ہدایت کنندہ کم ہونگے۔ اور گمراہ کرنیوالے بہت۔ یا اُس وقت اُن لوگوں کے فقہاء بدترین فقہاء عالم ہونگے۔ ہر ایک فتنہ اُنہیں سے نکلیگا۔ اور اُنہی کی طرف منتہی ہوگا۔ یا مسائل دینیہ اغراض فاسدہ دنیویہ کے واسطے یاد کئے جائینگے۔ (بحارالانوار)۔ یا علماء اُن کے شریر ترین مخلوقات ہونگے۔ لوگ ان سے اس طرح بھاگینگے جس طرح بھیڑیے سے بکری۔ یا امراء جابر و ظالم ہونگے۔ علماء طامع۔ (جامع الاخبار)۔ ایضاً (جامع الاخبار) "یاتی علی امتی زمان لا یعرفون فیہ العلماء الا بثوب حسن ولا یعرفون القرآن الا بصوت حسن ولا یعبدون اللہ الا فی رمضان"۔ یعنی جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ میری اُمت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا۔ کہ اُس میں نہ پہچانینگے علماء کو۔ مگر عمدہ لباس سے۔ اگر اعلےٰ درجے کی عبا۔ قبا و عمامہ ہے۔ تو وہ عالم ہے۔ ورنہ نہیں۔ اور نہ پہچانینگے قرآن کو۔ مگر اچھی آواز سے۔ اگر کوئی خوش الحان ہو۔ تو اُس سے الفاظ سن لینگے معانی سے کچھ بحث نہ ہوگی۔ اور نہ عبادت کرینگے خدا کی۔ مگر ماہ رمضان مبارک میں"۔ ان احادیث و روایات کے ہوتے ہوئے کیونکر ممکن ہے۔ کہ ہم ہر ایک مدعی کے دعوے کو قبول کرلیں۔ اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔ ہر ملوانے لباس والے کو ضرور عالم دین مان لیں۔ اور اُس کو نائب امام اولوالامر اور معاذ اللہ علیؑ ثانی جانیں۔ ہم اپنے علم پر مکلّف ہیں۔ اور ہمیں خود اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اور ہمارے ساتھ سوائے اعمال اور کوئی نہ جائیگا۔ ایسی صورت میں اگر ہم ہر کس و ناکس کے ادعا کے قبول کرنے سے احتراز کریں۔ تو ہرگز عندالعقلاء قابل مذمت نہیں ہوسکتے +

ان تمام مفاسد اور طول بحث کا ایک سب سے بڑا سبب یہ بدگمانی ہے۔ کہ یہ مسئلہ عمداً (نعوذ باللہ) تذلیل و توہین علماء اعلام کثرہم اللہ کی وجہ سے چھیڑا گیا ہے۔ اور اس کے واسطے ایک کمیٹی بنائی ہے۔ یہاں تک کہ بعض سن رسیدہ جہاندیدہ و تجربہ کار حضرات نے فرمایا۔ کہ خاص اس غرض سے پنجاب سے ایک شخص جناب مولانا ناصر حسین صاحب کی خدمت میں آیا۔ اور یہ مسئلہ دریافت کیا۔ تاکہ اعتراض کیا جائے (جیسا کہ سنا گیا ہے)۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ان بزرگواروں نے یہ فرماتے وقت خیال نہ فرمایا۔ کہ یہ سب کچھ تو کیا گیا۔ اور ممکن ہے۔ مگر جناب مولانا صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کس نے یہ جواب لکھوا دیا۔ اور معترض کو اعتراض کا موقع دیا۔ اور العوارف اور شیعہ میں کس نے شائع کرا دیا۔ یہی بدظنیاں اس خرابی کا باعث ہوئیں۔ اور ہو رہی ہیں۔ اور نہ معلوم کیا نتیجہ نکلیگا۔ اور کہاں منتہی ہونگی۔ دیکھئے "اونٹ کس کل بیٹھے"۔ اس پر بعض خود غرض طالب نام و نمود خواہوں کی نامناسب حمایت اور حاشیے چڑھانے نے اور بھی سونے پر سہاگے کا کام دیا جس کے ذمہ دار بقول جناب نجم العلماء مدظلہ وہی حضرات ہیں نہ علماء کرام۔ ورنہ یہاں کوئی ایسا ملا ہے۔ جو علماء کی تذلیل کا فیصلہ کرتا ہو۔ اور ایسا کیا گیا۔ اعتراض کر دینا اور علمی مباحثہ کرنا توہین نہیں۔ اس کو خود سیاسی جنگ اور پولیٹیکل بحث بنا کر اور غلط بحث کر کے اس قبیح صورت میں بنا دیا گیا۔ اگر کچھ کبھی کہا گیا ہے۔ تو صرف اُن لوگوں کو جن کی توہین ابھی احادیث اہلبیت ؑ سے کی جا چکی ہے۔ نہ کہ علماء اعلام کو۔ اور صرف عالم پر اعتراض کر دینے سے کوئی شخص تشیع یا اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جبکہ اعتراض نیک نیتی سے ہو۔ اور اگر ایسا ہی ہے ہم کہیں لوگ محض اس خطا پر خارج از اسلام یا تشیع ہو گئے۔ کہ حق کہتے ہیں۔ اور حق کی تائید کرتے ہیں۔ یا کسی عالم کے کسی خاص فتوے کو نہیں مانتے ہیں۔ تو وہ حضرات مخاطبین و مخاصمین جنہوں نے بعض علماء پنجاب کو سخت سے سخت لکھا ہے اور چھاپا ہے۔ اور ذاتیات پر جاہلانہ فحش حملے کئے ہیں۔ کب اس حکم سے خارج ہو سکتے ہیں۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو دراصل خروج از اسلام یا تشیع کا فتوے انہی پر عائد ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہوں اخبار کے پرچے۔ کہ ان میں جناب سرکار علامہ ہروی دام ظلہ العالی کو کیا کیا لکھا گیا ہے۔ اور کس طرح ذاتیات پر حملے کئے گئے ہیں۔ اور کیسے بیہودہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اور اس طرف سے صرف اسی وجہ سے ان کا جواب نہیں دیا گیا۔ کہ وہ بعض ذاتیات سے متعلق تھے۔ اصل مسئلے سے کچھ بحث ان میں نہ تھی۔ اگر ان کا جواب اسی طرح دیا جاتا۔ تو نہ معلوم کیا ہوتا۔ اور کیا کیا کچھ نہ کہا جاتا۔ علاوہ ازیں اگر یہ لوگ محض اس وجہ سے کہ انہوں نے ایک فتوے کو تسلیم نہیں کیا۔ یا اُس کے سوا یا البعض تردیدیں .... کو کچھ کہہ دیا۔ کافر ہو گئے۔ تو فرمایئے کہ ائمہ کی توہین کرنے والے اور اُن کی منقصت ثابت کرنے میں جان توڑ کر کوشش کرنیوالے کیا ٹھیرتے ہیں؟ اور انصاف سے فرمایئے۔ کہ کون زیادہ مجرم ہے۔ وہ شخص جو یہ کہہ رہا ہے۔ کہ میں بلا دلیل یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ جناب امیر کسی دوسرے کے پڑھائے ہوئے تھے۔ اور رسول ابتدا ہی سے نبی اور عالم تھے۔ چالیس

سال تک جاہل اور ایمان سے عاری نہ تھے۔ یا وہ شخص جو نبی کو ایمان سے خالی ثابت کرتا ہے۔ اور اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے پوری سعی عمل میں لاتا ہے۔ کہ کسی طرح امام میں کوئی عیب و منقصت ثابت ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ جناب مولانا ناصر حسین صاحب سے ایک مسئلہ اصول میں غلطی ہو گئی۔ تو در اصل اُن کی شان میں کوئی عیب لازم نہیں آتا۔ کیونکہ عالم کی شان معصوم ہونا نہیں ہے۔ بڑے سے بڑے عالم سے غلطی ہو سکتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر مرتبہ امامت میں ایک بھی نقص ثابت ہو جائے۔ تو کیسی قباحت لازم آتی ہے۔ اور اگر عمداً ایسا کیا جائے۔ تو کیسا گناہ عظیم ہے۔ اور کوئی جواب روز قیامت اس کا امام علیہ السلام کو نہ دیا جا سکیگا۔ اب فرمائیے۔ کہ زیادہ مجرم کون ہوگا۔ نبیؐ یا امامؑ کی حمایت کرنے والا یا اُن کے مقابلہ میں جناب مولانا کی نصرت میں ہمہ تن غرق ہو جانے والا +

انصاف شرط ہے۔ اگر جناب مولوی محسن علی شاہ صاحب کی نیت اس اعتراض میں خدانخواستہ بد ہوتی۔ تو وہ بعد اشاعت مضمون جناب ممتاز الافاضل (کلام ما فهمید ان الخ) علماء اعلام لکھنؤ کثر ہم اللہ وابقاہم کی خدمت بابرکت میں عریضے نہ لکھتے اور دریافت نہ فرماتے۔ کہ جناب ان مضامین کی نسبت کیا فرماتے ہیں۔ آیا میں اعتراض کرنے میں غلطی پر ہوں۔ یا یہ حضرات معتدین جو ثبوت "ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان" پیش کر رہے ہیں جس سے ایمان نبیؐ کی بھی نفی لازم آتی ہے۔ اور دسمبر ۱۹۰۸ء سے جون ۱۹۰۹ء تک چھ ماہ ان عرائض کے جواب کا انتظار نہ کرتے۔ اور میرا خیال ناقص یہ ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ اگر علماء اعلام جواب عنایت فرماتے۔ تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی۔ اور طالب نام ہوا خواہوں کو اپنی شہرت اور نام آوری کا ایسا موقع نہ ملتا۔ کہ وہ جو چاہیں لکھ لیں۔ مگر نہ معلوم علماء نے کیوں سکوت ہی کو مصلحت سمجھا۔ اور کسی نے جواب نہ دیا۔ "رموز مملکت خویش خسرواں دانند"۔ صرف دوبارہ اس طرف سے سلسلہ مضامین شروع ہو چکنے کے بعد جناب مولانا ظہور حسین صاحب مد ظلہ کا صحیفہ پہنچا (جو کبھی دوسرے مقام پر درج کیا جائیگا)۔ ان تمام باتوں کا ثبوت جو اس دیباچہ میں ذکر کی گئی ہیں انشاء اللہ آئندہ تحریرات کے ضمن میں مفصل پائیگا۔ اور اگر نظر انصاف و غور و تامل سے ملاحظہ فرمائیگا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ اہل پنجاب ہرگز ان الزاموں کے مستحق نہیں ہیں۔ جو ہم پر لگائے جاتے ہیں۔ صرف جرم ہے تو یہی۔ کہ حتی الامکان اظہار حق سے چشم پوشی نہیں کرتے۔ اور اغراض ذاتیہ یا کسی کی رُو رعایت سے حق کو نہیں چھپاتے۔ اور اپنے عقیدے کے خلاف مثل جانب مقابل تحریرات شائع نہیں کرتے۔ مگر خدا کی ذات سے ہمیں اب بھی امید ہے۔ کہ کوئی دن آئیگا۔ کہ یہ غلط فہمیاں رفع ہونگی اور بدظنیاں دور۔ اور علماء اعلام کو بدظن کرنے والوں کا راز کھل جائیگا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً +

اب ہم اصل بحث اور طرفین کے اقوال کو مفصل لکھینگے۔ مگر قبل اس کے کہ اصل مسئلہ کو شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ ضروری ہے۔ کہ حقیقت نبوّت و امامت خصوصاً نبوّت و امامت مطلقہ میں ایک تمہیدی مقدمہ لکھیں۔ تاکہ آئندہ ناظر کتاب کو مطالب سمجھنے اور نتیجہ نکالنے اور حق و ناحق کے تمیز کرنے میں آسانی ہو۔ اور ہر ایک شخص خواہ اس بحث سے دلچسپی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ فائدہ اٹھائے معلومات بڑھائے۔ پہلے ضرور معلوم ہونا چاہئے۔ کہ کس کے متعلق بحث ہو رہی ہے۔ اور اُس کی شان کیا ہے +

مُقدّمہ

فصلِ ۱

حقیقت و معیارِ نبوّت

اگر کوئی دلیل ایسی ہو سکتی ہے۔ کہ اس میں شک و شبہ کو راہ نہ ہو۔ تو وہ دلیل فطری ہے۔ اور سچا دین و مذہب وہی ہے جس کے اُصول فطرت عالم کے مطابق ہوں۔ فطرت عالم قدرت کے بیشمار رازوں کا خزانہ ہے اگر انسان چشم بصیرت سے اس میں غور و فکر کرے۔ تو لاانتہا مفید نکتے معلوم کر سکتا ہے۔ اور بہت اچھے اچھے نتائج پر پہنچ سکتا ہے۔ دُنیا نہایت عجیب و غریب عجائب خانہ ہے۔ اس کا ذرّہ ذرّہ خالق و صانع کی قدرت و صنعت کا مظہر ہے۔ اور ہر موجود اُس کے علم و حکمت کی ایک آیت بیّنہ۔ اسی واسطے فرماتا ہے۔ "سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ"۔ ہم آفاق و اطرافِ عالم میں اپنی آیات اور نشانیاں دکھلاتے ہیں۔ اور ان انسانوں کے نفسوں میں ہماری معرفت کی نشانیاں موجود ہیں۔ اہل بصیرت ان سے مستفید ہوتے ہیں۔ اور جاہل بدبخت ان کی تکذیب کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔ اور اصل عارف وہی اہل ایمان و ایقان ہیں جو صانع کی ہر مصنوع کو تأمل و تدبّر کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اگر تمام دیگر موجودات سے قطع نظر کر کے انسان صرف اپنے ہی وجود میں غور و خوض کرے۔ جس میں عالم اکبر پوشیدہ ہے۔ سہ

أتزعم انك جرم صغیر + وفیک انطوی العالم الاکبر

تو لاتعدو لاتحصٰی معارف حاصل کر سکتا ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ "وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ" یعنی زمین میں اہل ایمان و ایقان کے لئے خدا کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ اور خود تمہارے نفسوں میں۔ تم کیوں ان میں غور نہیں کرتے۔ اور بصیرت سے کام نہیں لیتے۔ ہمارا دین ہم کو ہدایت کرتا ہے۔ کہ دین کو از روئے بصیرت اختیار کریں نہ تقلیدی طور پر۔ اور یہی حقیقت اسلام کی ایک بیّن دلیل ہے۔ "قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي" اے پیغمبر کہدو۔ کہ یہی میرا راستہ ہے۔ میں اس پر خدا کی طرف از روئے بصیرت دعوت دیتا ہوں۔ میں اور جس نے میرا اتباع کیا ہے۔ دین کو از روئے بصیرت اختیار کرو۔ اور "إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِم مُّقْتَدُونَ" کی پیروی نہ کرو۔ اور تم اپنے بڑوں کی باتوں کو اگر سچ سمجھتے ہو۔ تو اُس کی دلیل بیان کرو "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ" حیف ہے اُن لوگوں پر جو خلاف حکم عقل و تعلیم الٰہی اندھی تقلید کی زنجیروں میں مقید ہیں۔ اور تحقیق حق سے بے بہرہ اور مذہب حق سے گمراہ +

مسلّم بلکہ شاہد و محسوس ہے۔ کہ جملہ موجودات عالم سلسلۂ ارتقاء میں مسلسل ہیں۔ ہر ایک شے دوسری سے متصل بھی ہے۔ اور جدا و ممتاز بھی۔ اور ایک ایک سے بالا۔ مثلاً مادیات کے چھ درجے ہیں ہر ایک درجہ اپنے ماتحت درجے سے بعض صفات و قوے میں فوقیت رکھتا ہے۔ اور بعض میں شریک۔ اوّل صورت مادیہ دوم صورت نشیریہ سوم جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوان۔ ششم انسان۔ ہر ایک درجہ اپنے مافوق سے بعض صفات و قوے میں ناقص ہے۔ مثلاً جمادات۔ سونا۔ چاندی و دیگر معدنیات قوت ترکیب میں کامل ہیں۔ مگر نشوونمو ان میں نہیں ہے۔ اس بات میں نبات سے ناقص ہیں۔ کہ اُس میں قوت ترکیب اجزا بھی ہے اور نشوونمو بھی۔ اس طرح نبات نشوونمو رکھتی ہے۔ مگر حس و حرکت ارادی نہیں۔ اسی طرح حیوان حس و حرکت ارادی میں کامل ہے۔ مگر نطق جو خاصۂ انسان ہے۔ اس میں نہیں پایا جاتا۔ پھر یہ تمام موجودات مختلف اجناس و انواع رکھتے ہیں۔ اور ہر ایک نوع دوسری نوع سے اور ہر جنس دوسری جنس سے صفات نوعیہ و جنسیہ میں متخصص و متمایز ہے۔ اور پھر اسی طرح ہر ایک نوع کے افراد آپس میں صفات شخصیہ میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ مثلاً انواع جمادات نفس جمادیت میں تو شریک ہیں مگر ہر ایک نوع اپنے خواص کے اعتبار سے دوسری سے جدا ہے۔ اور بعض تو اس قدر تفاوت رکھتی ہیں۔ کہ عوام خیال بھی نہیں کر سکتے۔ کہ یہ ایک ہی جنس کی نوعیں ہیں۔ اگر ایک جاہل کے سامنے ایک معمولی سفید پتھر کا ٹکڑا اور ایک قیمتی پتھر رکھ دیا جائے۔ تو شکل سے تمیز کر سکیگا۔ ایک جنس کے بعض افراد نوعیہ صورت ظاہری میں دوسری جنس سے بالکل مشابہ ہوتے ہیں۔ لیکن باطناً جدا و ممتاز۔ بے علم یا کم علم اشخاص تمیز نہیں کر سکتے۔ کہ کونسا ہیرا ہے اور کونسا بلّور۔ اور جوہر شناس

فوراً پہچان لیتے ہیں کیونکہ وہ عارف ہیں۔ اُن کی نظر باطن پر ہوتی ہے نہ کہ ظاہری صورت پر۔ ایک جاہل کے نزدیک موتی اور سیپ، ہیرا اور بلور، یاقوت و عقیق مثلاً سب مساوی ہیں۔ اُن کی ظاہری مشابہت و رنگت کی وجہ سے ان کو ایک ہی کہہ سکتا ہے۔ مگر عقلاء کے نزدیک صورت ظاہری میں مشابہت و مماثلت اُن کے ایک ہی ہونے اور ایک ہی جیسی صفات سے متصف ہونے پر دلیل نہیں۔ معرفت کے لئے بصیرت درکار ہے۔

اسی طرح جملہ حیوانات نفس حیوانیت میں مشترک ہیں۔ سب حس و حرکت ارادی رکھتے ہیں لیکن ہر ایک نوع دوسری سے ممتاز ہے۔ کسی حیوان میں تو دو ہی قوائے حسیہ پائی جاتی ہیں جیسا کہ مثلاً خراطین۔ اور دوسرے اس طرح کے کیڑے مکوڑوں میں صرف قوت لامسہ اور شامہ ہی ہوتی ہے۔ وہ چھوتے اور سونگھنے ہی سے کسی شے کا ادراک کر سکتے ہیں۔ اور کسی حیوان میں تین ہوتی ہیں۔ اور کسی میں پانچوں حواس مکمل پائے جاتے ہیں۔ اور کسی میں کامل تر۔ پس ان تمام حیوانات کا نفس حیوانیت یعنی حس و حرکت میں شریک ہونا اس بات کو مقتضی نہیں کہ ہر ایک حیوان تمام قوتوں و صفات میں دوسرے کے مساوی ہو جائے۔ ملائکہ بھی تو حس و حرکت رکھتے ہیں۔ اور ذی حیات (حیوان) ہیں۔ تو کیا وہ بھی ادنے حیوانات کی طرح دیگر صفات حیوانیہ میں شریک ہو جائیں گے۔ اور کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن سے بعض اوقات مقتضائے حیوانیت ان حیوانوں کے سے فعل صادر ہو جاتے ہیں۔ جس چیز میں اشتراک ضروری ہے یعنی حس و حرکت میں۔ وہ پایا جانا چاہئے کل تمام صفات جو ایک جنس کی کسی نوع میں ہیں۔ وہی دوسری میں بھی پائی جائیں۔ اسی طرح مطلق انسانیت میں تمام انسان مشترک ہیں یعنی سب نفس ناطقہ رکھتے ہیں۔ اور نطق ان میں پایا جاتا ہے۔ اور صورت ظاہری بشری میں مشابہ۔ مگر صفات شخصیہ انفرادیہ میں مساوی نہیں ہیں۔ بالکل ایک دوسرے سے جدا و مختلف ہیں۔ ایک ایک سے فوقیت رکھتا ہے "وَفَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ"۔ ایک کو دوسرے پر بدرجہا فضیلت حاصل ہے۔ پس انہی انسانوں میں سے بعض تو باعتبار صفات شخصیہ ایسے نظر آتے ہیں کہ گویا نباتیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ غذا (جیسی مل جائے) کھاتے ہیں۔ اور نشوونما پاتے ہیں اور بس۔ ایسے انسانوں کو علم اخلاق میں ستنبات (خودرو نبات) کہا جاتا ہے۔ کہ ان کا وجود مثل ان نباتات کے دوسروں کے واسطے بے سود اپنے وجود سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ پیدا ہوئے۔ بڑھے پلے۔ خدمت کی۔ مر گئے۔ بعض انسان ایسے ملتے ہیں۔ جو ان سے کچھ فوقیت رکھتے ہیں۔ اور گویا حیوانیت کے درجے پر پہنچتے ہیں۔ مگر کمالات انسانی ان سے بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ بیلوں کی طرح کھا لیا۔ پی لیا۔ اور دن بھر کام میں لگے رہے۔ جتنی چاہو اُن سے محنت لے لو۔ نہ اُن کو دین کی خبر نہ دُنیا کی کہ کیا ہو رہا ہے اور ہم کیا ہیں؟ کیوں

پیدا کئے گئے ہیں؟ کس واسطے یہاں آئے تھے؟ اور کہاں جائینگے؟ "اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ" یہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی بدتر۔ اور بعض انسان ایسے پائے جائینگے۔ جن میں ان حیوانوں سے زیادہ حس و ادراک پایا جاتا ہے۔ اور یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہم یہاں آئے ہیں۔ اور اپنے فائدے کے واسطے۔ مگر اُن کا خیال نفسانیات ہی تک محدود ہوتا ہے۔ رُوحانیات کا ادراک نہیں ہوتا۔ خواہشات نفسانی ہی کو پُورا کرنا وہ زندگی کا مقصد اعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اور اُن کی ترقی نفس پرستی اور نفس اَمّارہ کی پیروی ہی تک محدود ہے۔ اُن کا یہی خیال ہے۔ کہ دُنیا عیش و عشرت کی جگہ ہے۔ مزے اُڑاؤ۔ نفس کو خوش رکھو۔ ہر ایک قسم کی شہوت پرستی سے لذت اُٹھاؤ۔ اسی لئے ہم دُنیا میں آئے ہیں۔ اور یہیں مر جائینگے۔ نہ اس کے بعد کوئی اور زندگی ہے نہ دار آخرت۔ عاقبت کی فکر میں اپنے عیش کو مکدر کر لینا خام خیالی اور بیوقوفی میں داخل ہے۔ یہ لوگ لذائذ رُوحانی سے بالکل بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور اُن کو محسوس ہی نہیں کرتے۔ اور اسی واسطے مذہب سے بھاگتے ہیں۔ جو لذائذ و حالتِ زندگی رُوحانی کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور چونکہ نفس پرستی میں ہمہ تن غرق ہو جانے سے اُن کی رُوحانیت تقریباً سلب ہو چکی ہے۔ اس واسطے بعض اُن میں صاف اس کا انکار کرتے ہیں کہ وجود انسانی میں رُوح بھی کوئی چیز ہے۔ پھر یہ انکار منتہی ہوتا ہے۔ انکارِ مبدء و معاد تک۔ نہ خدا کے قائل رہتے ہیں۔ اور نہ قیامت کے۔ ان کا سچا مصداق اہل یورپ و امریکہ ہیں۔ اور آج کل ایسے ہی انسانوں کی کثرت ہے۔ ایک چوتھے درجے کے انسان ہیں جو انسانیت کے حقیقی معنی جانتے ہیں۔ اور انسان کی انسانیت رُوح انسانی پر سمجھتے ہیں۔ اور وہ لذائذ رُوحانی ہی سے زیادہ متلذذ ہوتے ہیں۔ اور ہمیشہ اُسی کی فکر میں رہتے ہیں۔ اور اُن سے آثار رُوحانی ظاہر ہوتے ہیں۔ اب فرمائیے۔ کہ ایک کامل انسان جو انسان کے اصلی معنی جانتا ہے۔ اور رُوح انسانی رکھتا ہے۔ اور اُس کے آثار اُس میں بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ اُس انسان سے جو ابھی درجہ نباتیت میں پڑا ہُوا ہے۔ اور مستنبتات میں شمار ہوتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ انسانی طبعی جسمانی یا انسان نفسانی کا درجہ رکھتا ہے۔ نہ کہ انسان عقلانی رُوحانی کا۔ کس قدر فرق بیّن ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ چونکہ دونو انسان ہیں۔ ایک سی صورت رکھتے ہیں۔ اس لئے سب کمالات میں مساوی ہیں۔ اور جب ایک ہی نوع کے افراد میں اس قدر تفاوت و اختلاف موجود ہے۔ تو دوسری نوع کے افراد کو جو اس سے فوقیت رکھتی ہے۔ کیونکر تساوی ہو سکتی ہے۔ یعنی جب نوع انسان کے افراد میں یہ فرق موجود ہے۔ حالانکہ سب انسانیت میں مشترک ہیں۔ اسی طرح دیگر انواع حیوانات۔ تو بھلا کب کہا جا سکتا ہے کہ ہر فرد انسان کے کمالات دوسرے حیوانات ہی کے سے کمالات ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حیوان ہے۔ یہ بھی حیوان۔ یہ وہی کر سکتا ہے۔ جو خود حیوان ہی ہو۔ اور کوئی کمال انسانی فوق حیوانیت محضہ نہ رکھتا ہو۔

اور ایسے شخص کا کلام عند العقلاء قابل توجہ نہیں ہو سکتا جو حیوان اور انسان کو بالکل ایک ہی بتلاتے۔ یہ اختلاف جو موجودات عالم میں دکھلائی دیتا ہے۔ یہ اُن کی ذاتی ترقی نہیں ہے۔ یعنی خود بخود ان مراتب نباتیت۔ حیوانیت اور انسانیت پر فائز نہیں ہو گئے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط اور باطل ہے۔ کہ تمام انواع نے ایک ہی نوع سے ترقی کی ہے۔ اور سب پہلے ایک نوع تھے۔ جماد ترقی کر کے نبات ہو گیا اور نبات حیوان اور حیوان انسان۔ انسان پہلے بندر تھا۔ بندر سے انسان بنا۔ قطعاً خلاف فطرت ہے۔ اور نہ کبھی کوئی درخت حیوان بنا ہے۔ اور نہ کوئی حیوان انسان۔ اور نہ بن سکتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتا کہ انسان نے بندر سے ترقی کی ہے۔ اور بندر انسان بنا ہے۔ تو انسان کا بچہ پیدا ہوتے ہی بندر کے بچے سے کہیں کامل و اکمل ہوتا۔ حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف پر شاہد ہے۔ یہ بقائے شخصی میں محتاج غیر ہے اور وہ نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہر ایک نوع اپنے آخری کمال پا اپنی مافوق نوع سے متصل ہو جاتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ اُس کی فرد کامل مافوق نوع کے فرد ابتدائی سے بعض صفات میں مشابہ ہو جائیگی مثلاً جمادات آخری درجے میں نبات سے مشابہ ہو جائیگی۔ جیسے مونگا۔ کہ اُس میں کچھ نشوونمو مثل نبات پایا جاتا ہے۔ یا جیسے سنگ اس کو برزخ کہتے ہیں۔ کہ دونوں نوعوں کے درمیان واقع ہے۔ نہ جماد محض ہے اور نہ نبات خالص۔ اسی طرح کھجور حیوانیت سے مشابہ اور بعض حیوانی صفات اُس میں محسوس ہوتی ہیں۔ جیسے لقاح (نر سے حاملہ ہونا) وغیرہ۔ اور ایسے ہی بوزینہ (بندر) برزخ کہلاتا ہے درمیان حیوان و انسان کے۔ نہ یہ کہ بندر کبھی انسان بن گیا۔ بلکہ اختلاف انواع نتیجہ ہے اُن قوتوں کے اختلاف کا جو صانع عالم نے اپنی حکمت و مصلحت سے ہر ایک موجود کو حسب استعداد وجودی عطا کی ہیں۔ یعنی جماد سے نبات میں ایک قوت زیادہ رکھی ہے۔ جس سے نشوونمو حسی اُس میں پایا جاتا ہے۔ اور نبات سے حیوان میں ایک قوت زیادہ ہے کہ وہ حس و حرکت ارادی ظاہری رکھتا ہے۔ اور حیوان سے انسان میں ایک قوت زیادہ ہے۔ کہ اس میں نطق پایا جاتا ہے۔ اس کو نفس[1] ناطقہ انسانی یا رُوح عقلانی کہتے ہیں۔ پس اصل حیوان مثلاً نفس حیوانی ہے۔ اور اصل انسان نفس ناطقہ انسانی یا رُوح۔ حیوان کی حیوانیت نفس حیوانی سے ہے۔ اور انسان کی انسانیت رُوح انسانی یا نفس ناطقہ سے ہے۔ یہ نہیں۔ کہ حیوانیت میں ایک قوت بڑھ گئی۔ اور وہ ترقی کر کے انسان بن گیا۔ بلکہ خدا نے ایک رُوح پیدا کی۔ جو فوق نفس حیوانی اور اُس سے اکمل ہے۔ اور اُس کو جسم میں ودیعت کیا۔ و علے ہذا القیاس۔ ان قوتوں کے وجود

[1] تحقیق یہ ہے۔ کہ نفس انسانی اور چیز ہے اور رُوح عقلانی اور شے۔ اور انسان مجموعہ ہے تین چیزوں کا جسم نفس اور رُوح۔ یہاں ہم نے بنا بر اصطلاح حکماء نفس استعمال کیا ہے۔ اور مراد ہماری یہاں نفس ناطقہ انسانی سے وہی رُوح عقلانی ہے۔ جو اصل انسان ہے۔ نہ نفس جو برزخ ہے درمیان رُوح و جسم کے۔ منہ

اور اُن کے اختلاف درجات کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ حتّٰی کہ منکرین خدا بھی۔ فرق یہ ہے۔ کہ وہ لوگ ان قوٰے کو بالذات مانتے ہیں۔ اور مادے ہی کا فاعل بالاثر بتلاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ مادے کے ہر ذرے میں حرکت و حرارت موجود ہے۔ حرکت کرتے کرتے مختلف صورتیں اختیار کرتا ہے۔ اور کوئی خارجی قوّت اس میں مُوثر نہیں۔ اور ہم قائلین وجود صانع عالم کہتے ہیں۔ کہ مادہ بے علم و شعور و بے ادراک کا یفعل محکم نہیں ہے۔ مُوثر حقیقی خدا ہے۔ اُس نے یہ سب قوتیں دی ہیں۔ جو علیم و حکیم و قدیر ہے۔ اور موافق حکمت و مصلحت ان کو مختلف درجات میں پیدا کیا ہے۔ جدید فلاسفر ان قوتوں کو قوائے الیکٹریہ (قوائے برقیہ) کہتے ہیں۔ اور حکماء قدیم ان کو نفس نباتی۔ نفس حیوانی اور نفس ناطقہ انسانی سے تعبیر کرتے تھے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہر ایک ممکن کا وجود اور اُس کی بقاء "معیتِ قیّومیّہ" باری تعالٰے پر موقوف ہے۔ اسی کے تعلق سے ہر ایک شے قائم و موجود و باقی ہے۔ لسانِ شرع میں ان کو نور سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ۔ اور معیت قیومیہ پر "هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ" (اُس کو تمہارے ساتھ معیت ہے جہاں تم ہو) دال ہے۔ لیکن خاص اصطلاح شرع میں وہ قوائے باطنیہ جو ہر شے کا باطن کون و باطن وجود ہے۔ جس سے وہ قائم ہے۔ یعنی باطن جسم و نفس روح وغیرہا۔ ان کو "ملکوت" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے "وَبِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ"۔ ہر ایک شے کا ملکوت اُسی کے دستِ قدرت میں ہے۔ اور یہی وہ قوّتِ برقیہ یا قوّتِ نورانیہ ہے۔ جس پر ہر شے کی بقاء وجود ہے۔ اور وجود در اصل نور ہی ہے۔ پس ہر ایک شے میں قوّۃ ملکوتی ہے۔ جو مابہ الحیاۃ و مابہ الوجود ہے۔ چنانچہ ملکوت عظمٰے النبیؐ فرماتا ہے "مَامِنْ ذَرَّةٍ اِلَّا لَهٗ لِسَانٌ مَلَكُوْتِيٌّ نَاطِقٌ بِالتَّسْبِيْحِ" ذرّہ ذرّہ عالم ایک زبان ملکوتی رکھتا ہے۔ جو اُس کی تسبیح و تقدیس میں گویا ہے۔ ؎

"ہر گیا ہے کہ از زمیں روید ✣ وحدہٗ لا شریک لہٗ گوید"

پس جیسا جس کا وجود ہوتا ہے۔ ویسا ہی اُس کا ملکوت ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھئے۔ کہ جس کا ملکوت قوی و کامل ہے۔ اُس کا وجود اقوٰے و اکمل۔ یا یوں کہئے۔ کہ جس قدر معیت قیومیہ اشد ہوتی ہے۔ اُسی قدر قوت ملکوتی قوی ہے۔ لہذا اختلاف کمالات و ترقیات موجودات اسی قوّۃ ملکوتی کے اختلاف کا نتیجہ ہے۔ یہ قوّۃ ملکوتی کسی شے میں نہایت ہی ضعیف ہوتی ہے۔ اور کسی میں نہایت قوی و کامل۔ اور کسی میں سب سے اقوٰے و اکمل۔ یہاں تک کہ آخری درجے کمال میں وہ قوّت ملکوتی ایسی قوی ہوگی۔ کہ باقی تمام ملکوت اشیاء اُس کے ماتحت ہونگی۔ یعنی ملکوت مواد و نفوس وغیرہا۔ و ملکوت عناصر مثلاً ملکوت آتش۔ ملکوت آب۔ ملکوت خاک وغیرہا سب اُس کے تحتِ حکم و مقہور و مغلوب ہونگے۔ اور وہی قادر مطلق و علیم مطلق کا مظہر اوّل ہوگا جس میں یہ قوت ملکوتی ہو۔ جو

تمام موجودات سے اقوی نے و اکمل ہے۔ یہ وہ وجود ہو سکتا ہے۔ جو اوّل ما صدر از مصدر پہلا مخلوق ہو۔ وقال صلی اللہ علیہ والہ وسلم اوّل ما خلق اللہ نوری واوّل ما خلق اللہ روحی۔ فافہم +

اس اختلاف سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ عام انسانوں کو چھوڑ کر خواص کا اختلاف اور ان کا سلسلۂ ارتقاء بھی قابل غور ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ہزار عقلاء اپنی عقل سے ایک بات کی خوبی کو ثابت کرتے ہیں۔ ایک شخص اٹھ کر ایک تقریر کرتا ہے۔ اور سب کی رائے باطل کر دیتا ہے۔ اور ثابت کر دیتا ہے۔ کہ ان سب نے اس رائے میں غلطی کی ہے۔ اور ایسے دلائل بیان کرتا ہے۔ کہ اُن کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ یہ شخص یقیناً ان ہزار عقلاء سے عاقل تر ہے۔ اسی طرح اگر دیکھتے چلے جاؤ۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ دُنیا میں بعض عقلاء ایسے بھی ہیں۔ جو دس ہزار عقلاء کی رائے کو باطل کر دیتے ہیں۔ اور بعض ایک لاکھ اور اس سے زیادہ کی ۔ ایک صحیح العقل سلیم الطبع بادشاہ کی عقل چالیس وزیروں کے برابر ہوتی ہے۔ اور ایک وزیر ہزاروں عقلاء میں سے انتخاب ہوتا ہے۔ پس جو شخص دو چار یا دس بادشاہوں کی رائے کو باطل و غلط ثابت کر دے۔ وہ سب سے عاقل تر و کامل تر ہے۔ یہ اختلاف کمال عقول مشاہد و محسوس ہے۔ قابل انکار نہیں۔ کہ ایک ایک سے عاقل تر موجود ہے۔ اور ایک ایک سے فوقیت رکھتا ہے۔ "وفضلنا بعضھم علی بعض درجات"۔ یہ امر کہ کمال عقول بالکل وہبی ہے۔ یا کچھ اکتسابی بھی۔ اور اکتساب کو کہاں تک دخل ہے۔ یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے۔ جس کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ البتہ یہ امر بدیہی ہے۔ کہ عقل کو جس قدر علوم و ادراکات سے صیقل کیا جائیگا۔ روشن تر ہوتی جائیگی ہمیں یہاں موجودات عالم میں باعتبار انواع و اشخاص ارتقاء دکھانا منظور ہے۔ کہ ایک ایک سے فوق ہے۔ اور نظام عالم اسی پر مبنی ہے +

یہ ارتقاء ہمیں راہ نمائی کرتا ہے۔ کہ سلسلۂ نظام عالم میں ایک ایسا عاقل بھی ہو سکتا ہے۔ جو آخر درجۂ کمال پر پہنچا ہوا ہو۔ اس سلسلہ ارتقاء کو دیکھتے ہوئے کہ ایک دوسرے سے فوق ہے اور قسمت خدا کو غیر محدود مانتے ہوئے اس کے امکان میں شک نہیں ہوسکتا۔ کہ دُنیا میں ایک ایسا شخص موجود ہو۔ جو تمام افراد عالم سے عاقل تر ہو۔ بلکہ جب یہ مسلّم ہے۔ کہ انسان کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو جائے۔ پھر بھی اُس سے غلطی ممکن ہے۔ بلکہ مشاہدہ میں آتی ہے۔ اور عاقل سے عاقل بھی کبھی غلطی کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ تو نظام عالم فرد ایک ایسے شخص کے وجود کو مقتضی ہے۔ جو تمام افراد سے عاقل تر ہو۔ اور پھر اُس کی عقل ایسی ہو جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔ کیونکہ اگر ایک شخص بھی ایسا نہ ہو۔ جو غلطی سے قطعاً محفوظ ہو۔ تو نظام عالم ناقص رہیگا۔ اس لئے کہ ناقصین کا مجموعہ بھی ناقص ہی کہلاتا ہے۔ اور ایسا شخص جو سب سے عاقل تر ہو۔ اور غلطی سے محفوظ وہی ہو سکتا ہے۔ جس پر صانع و خالق عالم (جو سب کو عقل و حکمت عطا کرنے والا ہے) کی خاص توجہ و عنایت ہو۔ (وعنایۃ اللہ

بلاشکٍ۔ اور خاص طور سے مؤید من اللہ ہو۔ اُس کو خدا سے ایک ایسا خاص تعلق و واسطہ ہو۔ جو دوسروں کو حاصل نہ ہو۔ بلا ایسے شخص کی امداد کے عقول ناقصہ خواہ کسی درجہ کمال پر کیوں نہ پہنچی ہوئی ہو حقیقی انسانی کمالات کی تحصیل سے عاجز، قاصر ہی رہینگی۔ اور حقائق اشیا کما ھی ھی معلوم نہ کر سکینگی۔ ایسے شخص کو جو خاص برگزیدۂ خدا ہو۔ اللہ تعالےٰ سے ایک تعلق خاص و رابطہ خاصہ رکھتا ہو۔ اہل مذاہب "نبی" "پیغامبر" وغیرہ کے لفظ سے پکارتے ہیں۔ اور یہاں سے یہ بدیہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ نبی وہی ہو سکتا ہے۔ جو تمام اہل زمانہ سے عاقل تر ہو۔ کیونکہ عالم میں ایک سے ایک عاقل تر موجود ہے۔ پس اگر یہ سب سے زیادہ صاحب عقل نہ ہوگا۔ تو وہ مستحق اطاعت و افضلیت نہیں ہو سکتا۔ اس کی ترجیح مفضول بر فاضل قبیح ہے۔ کہ ایک کم درجے کے آدمی کو اعلےٰ درجے کے آدمی پر فضیلت دیدی جائے۔ اور جب وہ سب سے عاقل تر ثابت ہوگا۔ اور مؤید من اللہ بھی۔ تو سب پر علی الاطلاق اُس کی اطاعت و پیروی واجب و لازم ہوگی۔ چونکہ عقل کی جلاء علم ہی سے ہے۔ اور جاہل کبھی علماء سے عقل میں کامل تر نہیں ہو سکتا۔ اس لئے یُوں کہہ سکتے ہیں۔ کہ نبی چاہئے۔ کہ تمام اہل زمانہ سے عالم تر ہو۔ اور علم اُس کا موہبتی من اللہ۔ کہ احتمال غلطی کا نہ ہے۔ یعنی عالم تر ہو اور معصوم اور جب بحکم عقل و فطرت عالم وہ دوسروں پر حاکم اور مطاع ٹھیرا۔ تو لازم ہے۔ کہ صاحب قدرت و اختیار بھی ہو۔ تاکہ احکام کو نافذ و جاری کر سکے۔ اور اگر ضرورت پڑے۔ اور مصلحت ہو۔ تو اپنی قوّت و قدرت سے کام لے۔ شریروں کو شرارت اور ظالموں کو ظلم سے روکے۔ لہٰذا اُصُولاً معیارِ نبوت علم و قدرت ٹھیرے۔ کیونکہ باقی جملہ کمالات علم و قدرت کے تحت میں ہیں۔ کلام حمید مجید اسی امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ بالاستحقاق حاکم وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جو علم و قدرت میں تمام محکومین سے برتر ہو۔ ملاحظہ فرمائیے سورۂ بقر رکوع ۳۲۔ تقررِ حضرت طالوت من جانب اللہ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ "بنی اسرائیل سے اُن کے پیغمبرؑ نے کہا کہ خدا نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا۔ وہ کیونکر ہمارا بادشاہ و مالک ہو سکتا ہے۔ اور ہم پر حکومت کر سکتا ہے۔ حالانکہ یہ صاحبِ دولت نہیں ہے۔ ہم اس سے زیادہ حکومت و سلطنت کے مستحق ہیں۔ پیغمبر خداؑ نے جواب میں کہا۔ خدا نے تم پر اُس کو برگزیدہ کیا ہے۔ اور تم سے زیادہ علم و طاقت عطا کی ہے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے۔ حکومت دیتا ہے۔ اور وہ کثیر الفضل اور ہر ایک چیز کا عالم ہے۔" اس آیت سے چند باتیں ثابت ہوئیں۔ اوّل یہ کہ بالاستحقاق حاکم وہی ہو سکتا ہے۔ جو اپنے محکومین سے افضل ہو۔ دوم بالاستحقاق واجب الطاعت وہی

حاکم ہے۔ جو من جانب اللہ ہو۔ نہ کہ خود ساختہ۔ سوم عوام الناس کے اس خیال کو رد کر دیا گیا۔ کہ حاکم وہ ہوتا ہے۔
جو بڑا مالدار ہو۔ جیسا کہ آج کل بھی وہی سردار سمجھا جاتا ہے جس کے پاس بہت سا روپیہ ہو۔ اور غلبہ حاصل ہو۔
چہارم پیغمبر بھی بلا حکم خدا خود کسی کو کسی قوم پر حاکم نہیں بنا سکتا۔ چہ جائیکہ خود لوگ ہی بنا لیں۔ چنانچہ بعض آیات
میں اس کی تصریح بھی کر دی گئی ہے "وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ
اللّٰهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ" (قصص) "تیرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے۔ پیدا کرتا ہے۔ اور جس کو جس کام کے
لئے چاہتا ہے۔ اختیار اور پسند کرتا ہے۔ لوگوں کو کوئی اختیار اس میں حاصل نہیں۔ پاک و پاکیزہ و بزرگ و برتر
ہے اللہ ان باتوں سے۔ جن کو وہ شریک کرتے ہیں"۔ اگر کوئی شخص ایسا کرے۔ کہ اپنی طرف سے کسی کو حاکم بنالے
تو وہ خدا کی خدائی میں شریک ہوتا ہے۔ اور خدا کی ذات اس سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ کہ اُس کا کوئی شریک ہو۔
اجماع یشوریٰ و غلبہ کسی کی حقانیت کی دلیل نہیں ہو سکتے۔ اور نہ خدا کا انتقام سے خاموش رہنا ان کی صداقت
کی دلیل ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح سے ان کا حاکم ہو جانا فعل خدا ثابت نہیں ہوتا ہے "وانما نملی لھم لیزدادوا
اثمًا" بہت جری ہیں وہ لوگ۔ جو اس امر میں خدا کا مقابلہ کرتے ہیں "وما اصبرھم علی النار" ذرا خوف
خدا نہیں رکھتے "ونحن یریدون مما یشرکون"۔ ایضاً سورۂ احزاب ع ۵ - وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ
فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا۔ "جب خدا و رسول کسی معاملہ میں حکم کر دیں۔ تو کسی مومن یا مومنہ کو کوئی اختیار اپنے
معاملے میں نہیں ہے۔ اور جو خدا اور اُس کے رسول صلعم کی نافرمانی کرے۔ وہ کھُلم کھُلا گمراہ ہے"۔ غرض جب ایک
حاکم و بادشاہ بنا لینے کا اختیار ہمیں حاصل نہیں ہے۔ تو پیغمبر جو حاکم عام ہے۔ دین و دُنیا کا ہم اُس کو کیونکر بنا سکتے
ہیں۔ اور نہ وہ خود بن سکتے ہیں۔ بلکہ خدا ہی اس کام کے لئے خاص وجود خلق فرماتا ہے۔ اور اس کے لئے اختیار
کرتا ہے۔ واللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ خدا ہی جانتا ہے۔ کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔ اور پھر
وارث نبوت و رسالت کس کو بنائے۔ اور اس خانۂ رسالت کے مالک کون ہوں۔ جو اہل البیت کہلائیں۔ اور
معیار اس حکومت بالاستحقاق کا **علم و قدرت** ہے۔ پس نبی تمام اہل زمانہ سے علم و قدرت میں افضل و اکمل
ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اُس کا جانشین و قائم مقام۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ ہو۔ تو پھر وہ قائم مقام بھی نہ کہلائیگا۔
اور چونکہ علم و قدرت تمام کمالات کی اصل ہیں۔ اور وہ سب ان کے تحت میں داخل ہیں۔ تو یہ کہا جا سکتا ہے۔
کہ وہ نبی اور خلیفہ نبی جملہ فضائل و کمالات و اخلاق و آداب میں جو نظام عالم کے لئے باعتبار اجتماع و ثبوت
فطریہ ضروری ہیں۔ تمام اہل زمانہ سے جن پر وہ مبعوث ہوا ہے۔ یا حاکم بنایا گیا ہے۔ افضل ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ
من جانب اللہ خلیفہ مقرر ہے۔ اس لئے وہ ان کا استعمال حسب حکم و مشیت خدا کرتا ہے۔ اور اکثر صبر سے کام

لیتا ہے "یَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا" اس آیت میں دو نو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ حکم خدا سے ہدایت کرتے ہیں۔ اپنی رائے یا اختیار کو دخل نہیں دیتے۔ اور صبر کرتے ہیں جس قدر علم وسیع ہو۔ اتنی قدر صبر بھی بڑھتا ہوتا ہے۔ کیونکہ صبر فرع علم ہے۔ اور بے صبری نتیجہ جہالت۔ پس نبی کمال عقل و علم و قدرت میں جمیع مبعوث الیہم سے افضل و اکمل ہوتا ہے۔ اور یہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ کمال ایک نوع کا دوسری نوع سے اور فوقیت ایک کی دوسری سے موقوف زیادتی نورانیت و قوت ملکوتی پر ہے۔ لہذا نبی اپنی قوت ملکوتی و نورانیت میں ماتحت و مبعوث الیہم سے افضل ہوتا ہے۔ اور ان سب سے رفیع الدرجات۔ چنانچہ لفظ نبی کی توجیہ میں علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور آئندہ مذکور ہوگی۔

نبی کی تعریف قرآن سے

اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ خدا نے خاص طور پر معیار نبوت کیا قرار دیا ہے۔ اور اس کی کیا حقیقت بیان فرمائی ہے۔ اور کیا تعریف کی ہے؟ لوگوں نے اس کے سمجھنے میں کیا غلطی کی۔ اور اس کا کیا اثر پڑا۔ اور اس سے کس قدر غلط فہمیاں دوسرے احکام اسلام میں واقع ہوئیں۔ اللہ جل شانہ اپنے حبیب سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے "قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَیَّ" (اے پیغمبر کہدو۔ کہ میں مثل تمہارے ایک بشر ہوں۔ مجھ کو وحی ہوتی ہے)۔ آیہ مبارکہ کے لفظ "مثل" نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اور بہت سی غلط فہمیاں اس سے پیدا ہوئیں "مثل" کا لفظ پیغمبرؐ کے لئے استعمال ہو جانے سے انہوں نے جملہ صفات انسانی میں پیغمبرؐ کو مثل دیگر انسانوں کے سمجھ لیا۔ بعض نے صاف کہا اور لکھا ہے۔ کہ نبی میں اور دوسرے انسانوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ وہ گنہگار بھی ہوتا ہے۔ اور اس کو ہماری جیسی خواہشات بھی ہوتی ہیں۔ اس کو معاذ اللہ ہماری ہی طرح شیطان بہکاتا ہے۔ پہلے بھی بعض اس خیال کے گذرے ہیں۔ اور اب تو بہت ہی ہو گئے ہیں خصوصاً جب سے مصنوعی نبی زیادہ پیدا ہونے لگ گئے۔ مشہور دہلوی مترجم قرآن نے بھی اپنے مترجم قرآن کے حاشیے پر آیہ "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِيَّتِهٖ الخ" کے ذیل میں یہی تحریر فرمایا ہے۔ کہ معاذ اللہ نبی کو بھی وساوس شیطانی اسی طرح ہوتے ہیں۔ فرقہ **اہل القرآن** کے نزدیک نبی العیاذ باللہ صرف ایک چٹھی رساں کی حیثیت رکھتا ہے۔ کوئی فضیلت اس کو حاصل نہیں۔ اور نہ اس کی اطاعت فرض ہے۔ اور احادیث پیغمبر ہرگز قابل اتباع نہیں (وغیر ذالك من المزخرفات)۔ بعض حضرات مسلمان کفر و ضلالت کے قائل ہو گئے ہیں۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر میں مجاہد۔ کلبی اور سدی کے اقوال نقل کئے ہیں۔ کہ یہ لوگ قائل تھے۔ کہ معاذ اللہ پیغمبر خاتم النبیینؐ سید المرسلین چالیس سال تک کافر و گمراہ رہے۔

لیکن انہوں نے عقل سے اتنا کام نہ لیا۔ کہ لفظ "مثل" ہرگز اس کو متقضی نہیں کہ پیغمبر عام باتوں میں

دوسرے انسانوں کے مساوی ہو جاتے۔ ظاہری مماثلت و مشابہت اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ جملہ کمالات بھی مماثل و مشابہ ہوں۔ یہ وہی لوگ کہ سکتے ہیں۔ جنہوں نے دین کو اندوئے بصیرت اختیار نہیں کیا ہے۔ اور اندھی تقلید میں گرفتار چلے آتے ہیں۔ فطرتِ عالم سے سبق نہیں لیتے۔ سنگریزوں اور جواہرات میں تمیز نہیں کرتے۔ الماس کو بلور سمجھتے ہیں۔ اور گوہر کو خرمہرہ۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ نبی بشر ہوتا ہے لیکن اگر ہم خاک ہیں۔ تو وہ اکسیر۔ ہم پتھر ہیں۔ وہ گوہر۔ ہم سنگ خارا۔ وہ پارس۔ ہم ذرہ۔ وہ آفتاب۔ ہم جاہل۔ وہ عالم۔ ہم ناقص۔ وہ کامل۔ ہم مثل قالب ہیں۔ وہ جان عالم۔ وہ بشر ہے مگر روح مجسّم۔ وہ جسم ہے مگر جسم مروّح۔ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ کہ جنسیّت یا نوعیّت میں شریک ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ جملہ کمالات و صفات میں مساوی ہوں۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ ایک حیوان نہایت ہی ضعیف القویٰ و الحواس ہوتا ہے۔ اور تمام حواس بھی نہیں رکھتا۔ اور ایک حیوان نہایت ہی قوی الحواس سریع الحس ہوتا ہے۔ اور حرکت ارادی و احساس میں درجہ کمال پر پہنچا ہوا۔ حالانکہ دونو حیوان ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام انسان کہلاتے ہیں۔ لیکن ایک انسان نہایت ادنےٰ درجہ میں ہوتا ہے۔ کہ حیوانوں سے بھی بدتر۔ اور ایک نہایت درجہ کامل۔ حالانکہ وہ بھی بشر ہے اور یہ بھی۔ ہم کہ سکتے ہیں۔ کہ **باقل** اور **ابن ہنبقہ** (جو حماقت میں ضرب المثل ہیں) بھی بشر ہے بلکہ انسان ہے مثل ارسطو و افلاطون۔ ایسے کہنا بالکل صحیح ہے۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہے۔ کہ جملہ کمالات میں مساوی ہیں۔ کتنا فرق ہے۔ کہ ان میں آپس میں کوئی نسبت قائم نہیں کی جا سکتی۔ سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں۔ اور آدمی کہلاتے ہیں۔ یہ بھی یقیناً صحیح ہے۔ کہ "الانسان حیوان" انسان حیوان (جاندار) ہے۔ لیکن کیا کوئی صاحب عقل اس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ انسان بھی مثل گھوڑے۔ گدھے۔ کتے۔ بلی کے حیوان ہے۔ اور تمام صفات و کمالات میں یہ یکساں ہیں۔ محقق و مسلّم ہے۔ کہ صورتِ کاملہ صورتِ ناقصہ کے احکام استقلالیہ کو باطل کر دیتی ہے۔ یعنی جب ایک صورت کامل آ جاتی ہے۔ تو صورتِ ناقصہ کے افعال استقلالیہ صادر نہیں ہوتے۔ وہ کاملہ کے ماتحت ہو جاتی ہے۔ مثلاً حیوان اور انسان۔ حیوانیت صورتِ ناقصہ ہے بمقابلہ انسانیت کے۔ انسان تمام صفات و قوائے حیوانیہ کو جامع ہے مع بعض قوے کی زیادتی کے۔ پس انسانیت کے آنے سے حیوانیت محضہ کے احکام استقلالیہ باطل ہو جائینگی۔ اور انسان سے حیوان محض کی طرح کے افعال صادر نہ ہونگے۔ بلکہ انسانیت کے تحت میں۔ چنانچہ مشاہد ہے کہ انسان کھاتا ہے۔ مگر نہ حیوان کی طرح گھاس پات۔ بھس۔ خاک دھول۔ انسان پیتا ہے۔ مگر نہ کتے بلی کی طرح زبان سے چپڑ چپڑ کر کے۔ انسان جماع کرتا ہے۔ مگر نہ بکرا بکری۔ گائے بیل۔ گھوڑے۔ گدھے۔ کتے۔ بلی کی طرح۔ انسان میں حیوانیت ضرور ہے۔ لیکن یہ انسانی حیوانیت ہے نہ کہ گھوڑے گدھے کی۔

پس معلوم ہُوا۔ کہ انسانی حیوانیت اور ہے اور نفسی و غنمی اور۔ انسان سے جو حیوانی افعال صادر ہونگے۔ وہ روح انسانی کے تحت میں اور اُس کے حکم کے مطابق۔ اسی واسطے وہ لوگ جو کمال انسانی نہیں رکھتے ہیں۔ اور ایسے ناقص ہو گئے ہیں۔ کہ حیوانوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ نزدیک عقلاء، فصحاء و بلغاء۔ اور نیز عند اللہ بھی حیوان بلکہ حیوان سے بھی بدتر کہلاتے ہیں۔ لہٰذا نبی کا بشریت میں شریک ہونا اس بات کو ہرگز مقتضی نہیں ہے۔ کہ اُن سے تمام افعال عام نوع انسان کے سے صادر ہوں۔ نبی بشریت میں شریک ہے۔ نہ کمال انسانیت میں۔ اُس سے تمام افعال انسانی موافق حکم روح نبوتی صادر ہونگے۔ نہ کہ عوام الناس حشرات الارض کی طرح۔ پس جو لوگ نا سمجھی اور نادانی سے بعض اوقات پیغمبر یا امام کی نسبت کہ دیتے ہیں کہ باعتبار نبوت و امامت تو وہ ایسے ویسے ہیں۔ لیکن بمقتضائے بشریت اُن سے اس طرح کی باتیں صادر ہو جاتی ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک کبھی تو وہ نبی رہتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اُن سے روح نبوتی خارج ہو جاتی ہے۔ اور معمولی انسان رہ جاتے ہیں۔ اور اُن کے لئے وہ افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ایک وقت تو انسان انسان ہوتا ہے۔ اور روح انسانی اُس میں موجود ہوتی ہے۔ اور ایک وقت اُس سے روح انسانی خارج ہو جاتی ہے۔ اور عام حیوانوں کی طرح رہ جاتا ہے۔ ایسے خیالات کی رکاکت کسی عقلمند پر پوشیدہ نہیں۔ ایسے لوگ قطعاً نبوت کی معرفت سے عاری ہیں +

تعریفِ نبی اور اُس کی فصل ممیز

اب یہ بھی دیکھنا چاہئے۔ کہ تعریف نبی میں صرف لفظ "بشر" ہی استعمال ہُوا ہے۔ اور یہی معیار نبوّت ہے۔ یا اور بھی کوئی چیز ہے۔ جو نبی اور عام انسان میں فرق کرتی ہو۔ اگر محض بشریت ہی معیار نبوّت ہو۔ تو یہ تعریف جامع و مانع نہیں رہتی۔ تمام نوع بشر نبی ہو جائیگی۔ اور یہ باطل ہے۔ نیز بہت سی آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔ کہ صرف بشریت کو معیار نبوّت قرار دینا صحیح نہیں۔ چنانچہ اسی واسطے منکرین نبوّت کے اس قول "ان انتم الا بشر مثلنا" (تم تو ہم ہی جیسے بشر ہو) کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ اور اُن کی تکذیب کی گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہُوا کہ عام انسانوں اور نبی میں کوئی ایسا امر مابہ الامتیاز ہو جس سے نبی اور عام انسانوں میں فرق و امتیاز ہو جائے۔ اور نبی کی شناخت آسان ہو۔ پس وہ امر جو نبی کو تمام انسانوں سے تمیز دیتا اور جدا کرتا ہے "وحی" ہوتی ہے۔ جیسا کہ آیہ کوۃ الصدر "قل انما انا بشر مثلکم یوحی الیّ" اور دیگر آیات سے ثابت ہے۔ کہ انسان اور نبی میں فصل ممیز وحی ہی ہے "انا بشر مثلکم" جنس مشترک ہے۔ تمام انسان بشر ہونے میں شریک و مساوی ہیں۔ اور نبی بھی بشر ہے۔ اور "یوحی الیّ" فصل ممیز ہے۔ جو نبی کو عام انسانوں سے جدا اور ممیز کرتی ہے۔ جس طرح کہ "الانسان حیوان ناطق" (الانسان حیوان ینطق) (انسان حیوان ناطق ہے۔ انسان وہ حیوان ہے جو نطق رکھتا ہے) میں

حیوان جنس مشترک ہے جس میں تمام انسان اور دیگر حیوان شریک و مساوی ہیں۔ اور ناطق فصل ممیز ہے۔ اس کے ملانے سے انسان تمام دیگر حیوانوں سے ممیز و ممتاز ہو جاتا ہے۔ ہرگز نہیں کہہ سکتے ہیں کہ تمام حیوان ناطقیت میں بھی شریک ہیں اور سب مساوی۔ یہ صرف انسان ہی کی صفت ہے۔ اسی طرح "النبی بشر یوحی الیہ" میں بشر جنس ہے اور "یوحی الیہ" وحی فصل ممیز۔ اس کے آنے سے نبی تمام دوسرے انسانوں اور بشروں سے ممیز و ممتاز ہو گیا۔ یہ خاص پیغمبر ہی کے واسطے ہے۔ یہاں سے معلوم ہوا۔ کہ انسان اور نبی میں "وحی" مابہ الافتراق اور فصل ممیز ہے۔ اور اسی پر مدار نبوت ہے۔ اور نبی اور عام انسانوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ انسان اور دیگر حیوانوں میں +

علامہ ابن خلدون اور وحی نبی کی توجیہ

اس امر میں غور کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ وحی جو نبی کی فصل ممیز قرار دی گئی ہے۔ اور نبی و انسان میں مابہ الامتیاز ہے۔ یہ نبی کی ذاتیات میں داخل ہے یا عوارض میں۔ نفس ناطقہ انسانیہ کا اثر خاص ہے یا اور کسی قوت کا۔ بعض کا قول ہے۔ کہ نفس ناطقہ انسانیہ ہی کا اثر ہے۔ اور اسی کا کمال۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے۔ "والنفوس البشریة علی ثلثة اصناف صنف عاجز بالطبع عن الوصول الی الادراک الروحانی الخ۔ وصنف متوجہ بتلک الحرکة الفکریة نحو العقل الروحانی والادراک الذی لا یفتقر الی الآلات البدنیة بما جعل فیہا من الاستعداد لذالک (الی ان قال) وھذہ مدارک العلماء الاولیاء اھل العلوم اللدنیة والمعارف الربانیة وھی الحاصلة بعد الموت لاھل السعادات فی البرزخ الخ۔ وصنف مفطور علی الانسلاخ من البشریة جملة جسمانیتہا وروحانیتہا الی الملئکة من الافق الاعلی لیصیر فی لمحة من اللمحات ملکا بالفعل ویحصل لہ شہود الملاء الاعلی فی افقہم وسماع الکلام النفسانی والخطاب الالٰہی فی تلک اللمحة وھولاء الانبیاء صلوات اللہ علیہم فی حالة الوحی فطرة فطرھم اللہ علیہا وجبلة صورھم فیہا ونزھہم عن موانع البدن وعوائقہ الخ۔ خلاصہ ترجمہ۔ نفوس بشریہ کی تین صنفیں ہیں۔ پہلی صنف وہ نفوس ہیں جو بالطبع روحانی ادراکات سے عاجز و قاصر ہیں۔ دوسری صنف وہ نفوس ہیں۔ جو بذریعہ حرکت فکریہ عقل روحانی اور اس ادراک روحانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو آلات بدنیہ کا محتاج نہیں۔ کیونکہ ان میں یہ استعداد ہے۔ کہ بلا آلات بدنیہ ادراک کر سکیں۔ اور یہ مرتبہ علماء و اولیاء اور صاحبان علوم لدنیہ و معارف ربانیہ کا ہے۔ اور نیک اور ابرار لوگوں کو عالم برزخ میں مرنے کے بعد یہی درجہ حاصل ہوتا ہے۔ تیسری صنف وہ نفوس ہیں۔ جن میں بالفطرة یہ قوت ہوتی ہے۔ کہ وہ ایک لمحہ کے واسطے بشریت سے بالکل منسلخ و جدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی جسمانیت

بھی اور اُس کی رُوحانیت سے بھی۔ اور ملائکہ سے افق اعلٰے میں جاملتے ہیں۔ عالم بالا کی سیر کرتے ہیں۔ اور کلام الٰہی نفسانی سُنتے ہیں۔ اور یہ حالت انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے۔ کہ حالت وحی میں بشریت سے خارج ہوجاتے ہیں۔ اور یہ اُن کی فطرت و سرشت میں داخل ہے جس پہ خدا نے اُن کو خلق فرمایا ہے۔ اور عوائق و موانع جسمانیہ سے منزہ و مبرا رکھا ہے۔ انتہی +

اِس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ نفس بشریہ کے تین درجے کئے گئے ہیں۔ پہلا عوام الناس کا دوسرا اولیاء اللہ کا تیسرا انبیاء علیہم السلام کا۔ اِس تیسرے درجے والے نفوس کو یہ قدرت بالفطرۃ حاصل ہے۔ کہ وہ بعض اوقات یعنی حالت وحی میں بشریت سے منسلخ و جدا ہوکر فرشتہ بن جاتے ہیں۔ اور کلام خدا سُنتے ہیں۔ اور اسی کو وحی کہا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہُوا۔ کہ وحی بھی نفس ناطقہ انسانیہ ہی کا خاصہ ہے۔ اور یہ ایک حالت عرضی ہے۔ جو بعض نفوس پہ طاری ہوتی ہے۔ ذاتیات نبی میں داخل نہیں۔ اور نبی میں کوئی خاص قوّت باطنی رُوحانی علاوہ نفس بشریہ جوہر انسان میں ہوتا ہے۔ حاصل نہیں ہے۔ یہی نفس بعض اوقات فرشتہ بن جاتا ہے۔ اور پھر انسانیت کی طرف لوٹ آتا ہے۔ اگر غور کیا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ یہ قول نہایت ہی رکیک ہے۔ اوّل تو اس لئے کہ میزانیین کے نزدیک مسلّم و محقق ہے۔ کہ شے کی فصل ممیّز اُس کی ذاتیات میں داخل ہوتی ہے۔ اور اُس کی مقوّم کہلاتی ہے ورنہ وہ فصل ممیّز نہ ہوگی۔ اور یہ ثابت ہے۔ کہ وحی نبی کی فصل ممیز قرار دی گئی ہے۔ پس اگر وحی کو ذاتیات نبی سے کچھ تعلق نہ ہو۔ ایک شے عارضی ہو۔ جو بعض اوقات اُس پہ طاری ہوجاتی ہے۔ تو وہ فصل ممیز نہ ہوگی۔ اور لازم آئیگا۔ کہ انسان کی انسانیت بھی نفس حیوانیہ کا اثر خاص ہوجائے۔ اور اس کے یہ معنی ہوں۔ کہ نفس حیوانی ہی کسی وقت خاص میں انسان بن جاتا ہے۔ اور کلیات کا ادراک کرنے لگتا ہے۔ یہ محض لغو مہمل ہے۔ اس کو شاید یورپ کا مشہور فلاسفر ڈارون ہی تسلیم کرے تو کرے۔ جس کی بابت کہا جاتا ہے۔ کہ وہ انسان کو بندر بتلاتا ہے۔ کہ بندر ترقی کرکے انسان بن گیا ہے۔ دوم یہ کہ یہ امر تحقیق حکماء اور اصول عقلاء کے بالکل خلاف ہے۔ کہ ایک نوع کسی خاص وقت میں اپنی نوعیت سے خارج ہوجائے۔ فطرتِ عالم ہرگز اس کی شہادت نہیں دیتی۔ کہ ایک نوع اپنی نوعیت سے خارج ہوجائے۔ اور پھر اُسی پہ عود کرآئے۔ ایک انسان ایک وقتِ خاص میں فرشتہ بن جائے۔ انسانیت سے بالکل منسلخ ہوجائے۔ اور پھر اُسی انسانیت و بشریت پر عود کرآئے۔ انبیاء کی شان اس سے افضل ہے۔ اور صانع و خالق اس سے بزرگ و برتر ہے۔ اُس کی قدرت غیر محدود ہے۔ وہ ملائکہ سے افضل و اشرف و اکمل وجود پیدا کرسکتا ہے اور کئے ہیں۔ اُس کو اس بھان متی کے تماشے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کہ وہ اس پہ ہمیشہ سے قادر ہے۔ کہ کچھ ایسے نفوس خلق فرمادے۔ جو ہمیشہ

عالم بالا کی سیر کریں۔ اور اس عالم میں آنحضرت۔ کلام الٰہی سنیں۔ اور اس کے فیض سے فیضیاب ہو کر مخلوق کو افادہ فرمائیں۔ تعالی اللہ وتعالوا عن ذالک علواً کبیراً۔ یہ امر عدم معرفت نبوت پر دال ہے۔ "مثلنا بشر مثلکم" ہی سے لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ معادن علوم ومہابط وحی ومعالم التنزیل والتاویل سے علوم اقتنکر نے او۔ اپنی ناقص رائے پر چلنے کا یہی نتیجہ ہے۔ سوم تمام حکماء کے نزدیک مسلّم ہے۔ کہ انسان ایک نوع ہے۔ ایک نوع کے افراد میں طبیعت نوعیہ متبدل نہیں ہوتی۔ اور اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نفوس بشریہ انسانیہ تو بالطبع ادراک روحانی سے عاجز ہیں۔ اور کچھ حرکت فکریہ سے ادراک روحانی حاصل کر سکتے ہیں۔ اور کچھ بالفطرۃ ایسے ہیں۔ جو بالکل بشریت سے منسلخ ہو کر فرشتہ بن جاتے ہیں۔ پس جب ان میں بالطبع یہ اختلاف وتفاوت موجود ہے۔ تو ایک نوع کہاں رہی۔ طبیعت نوعیہ میں ہرگز اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اختلاف صنفی محض عوارض میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ گورے رنگ والے اور کالے رنگ والے انسان۔ نہ کہ طبائع ذاتیہ میں۔ طبائع نوعیہ اور ان نفوس کی قوائے ذاتیہ واستعدادت مساوی ہیں۔ اور کمالات اولیہ ذاتیہ میں فرق نہیں۔ فرق ہوتا ہے۔ تو کمالات ثانویہ فعلیہ میں ہوتا ہے۔ جو مقام ظہور کمالات ہے۔ اگر یہ اختلاف بالطبع ان میں موجود ہے اور قوائے طبعیہ اس قدر متفاوت اور مختلف ہیں۔ تو تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ یہ مختلف الانواع ہیں۔ اور اس کا کوئی عاقل قائل نہیں ہو سکتا۔ اور تمایز صنفی درحقیقت صرف اضافت ونسبت میں ہوتا ہے۔ نہ کہ استعدادات فطرتیہ میں۔ مثلاً حبشی۔ رومی۔ یونانی وترکی وقریشی۔ عرب۔ عجم۔ ہندی۔ سندی وغیرہ وغیرہ۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے۔ کہ عرب میں بالفطرۃ استعداد ادراک نہیں ہے۔ اور عجم میں ہے۔ وغیر ذالک۔ پس انبیاء کو صنف بشر کہنا درست نہیں ہے۔ مگر اس محقق کے کلام سے اتنی ہماری تائید ضرور ہوتی ہے۔ کہ نفوس بشریہ حالت بشریت میں وحی کی قابلیت نہیں رکھتے۔ جب تک کہ جسمانیت وروحانیت بشریت سے بالکل منسلخ نہ ہو جائیں۔ معلوم یہ کہ فطرت انبیاء غیر فطرت عامہ نفوس بشریہ ہے۔ اور یہ ایک علیحدہ صنف ہے۔ مگر نہ معلوم کون چیز مانع ہے۔

اس کے کہنے کو کہ انبیاء کی نوع ہی علیحدہ ہے فوق الانسان۔ اور یہی حق وصدق ہے۔

شائد تقلید نے علامہ کو اس بھان متی کے تماشہ بنانے پر مجبور کیا ہوا ہے۔ ہم مقدمات میں اشارہ کر چکے ہیں۔ ہر ایک نوع جو دوسری نوع سے فوقیت رکھتی ہے۔ اس میں ایک قوت اپنے ماتحت انواع سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور ہر نوع اپنی جنس سے ایک جزو مقوم زیادہ رکھتی ہے۔ مثلاً انسان جو دیگر حیوانات پر فوقیت رکھتا ہے۔ اس میں ایک قوت ایسی ہے۔ جو دوسروں میں نہیں ہے۔ یہ نہیں۔ کہ حیوانیت ہی میں ترقی ہو کر ایک قوت زیادہ ہو گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ انسان کو نفس حیوانیہ سے کامل تر ایک روح دی گئی ہے۔ جو حاوی ہے۔ جملہ صفات حیوانیہ ونباتیہ وجمادیہ کو مع شئے زائد۔ اسی کو حکماء نفس ناطقہ انسانیہ کہتے ہیں۔ اگرچہ مقام تحقیق میں نفس وروح

دو چیزیں ہیں۔ مگر حکماء کے کلام میں جو نفس ناطقہ انسانیہ استعمال ہوتا ہے۔ اس سے روح انسانی ہی مراد ہوتی ہے۔ اور نطق اسی نفس ناطقہ انسانیہ کا اختصاص ہے۔ جب تک کہ علاوہ نفس حیوانی انسان کی ذات میں کوئی جزو مقوم البیان نہ ہو جس سے نطق انتزاع ہو سکے۔ اور نطق اُس کا اختصاص ہو تو نطق ہرگز انسان کی فصل ممیز نہیں ہو سکتا بہر حال تعریف انسان "الانسان حیوان ناطق" میں جو ناطقیت کو فصل ممیز نوع انسان قرار دیا گیا ہے۔ وہ نفس ناطقہ انسانیہ کا اثر ہے نہ نفس حیوانیہ کا۔ اور انسان کی انسانیت اسی نفس ناطقہ یا روح انسانی سے ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے۔ کہ انسان در اصل وہ روح انسانی ہی ہے۔ باقی قوے بمنزلہ صفات عارضہ ہیں۔ اور جسمانیت ظرف ہے۔ اصل وہی ہے۔ اور اصل مقدم ہے۔ روح انسانی کو یہ جسم دیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب تک یہ روح انسان میں باقی رہتی ہے۔ انسان کہلاتا ہے۔ جہاں یہ روح نکلی محض مٹی رہ جاتا ہے۔ حالانکہ جسم ہر اعتبار سے صحیح و سالم معلوم ہوتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ انسان میں نفس نباتی و نفس حیوانی جن کو روح نباتی و روح حیوانی بھی کہا جاتا ہے۔ روح انسانی سے علیحدہ جدا اور مستقل موجود نہیں ہیں۔ بلکہ روح انسانی ہی ایک شے ہے۔ جس میں یہ تمام کمالات و صفات و قوے موجود ہیں۔ اور وہ حاوی ہے ان تمام قوے کو مع زیادتی بعض کمالات خاصہ۔ لہذا یقینی طور پر تعریف نبی (النبی بشر یوحیٰ الیہ) میں جو وحی نبی کی فصل ممیز قرار دی گئی ہے۔ وہ نفس ناطقہ انسانیہ کا اثر نہیں ہے۔ اور اس کے بعض عوارضات سے نہیں۔ ورنہ تعریف غلط ہوگی۔ بلکہ یہ وحی اختصاص ہے ایک خاص روح کا۔ جو نبی ہی کو عطا ہوتی ہے۔ اور روح نبوت کو بعض اوقات روح قدس (پاک روح) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر نبی کی نبوت نفس بشریہ ہی پر رکھی جائے تو انسان کی انسانیت بھی نفس حیوانیہ سے ہوگی اور یہ باطل ہے۔ لہذا ماننا پڑیگا۔ کہ نبی میں روح خاص ہوتی ہے۔ جو دوسرے عام انسانوں میں نہیں ہوتی۔ اور نبوت اسی روح سے ہے۔ بلکہ وہی روح نبی ہے۔ اور وحی اس کا اثر۔ وہ ایک ایسی روح ہے۔ کہ جامع و حاوی ہے جملہ کمالات انسانیہ کو مع زیادتی کمالات خاصہ۔ یہ نہیں ہے۔ کہ نفس بشری ہی ترقی کر کے اس درجے پر پہنچ گیا ہے۔ کہ اس میں یہ قوت آگئی ہے۔ کہ وہ کلام الٰہی سن سکے۔ اور عالم بالا کی سیر کرے۔ اگر علماء کا نفوس نبویہ کے خاص فطرت پر مفطور و مخلوق ہونے سے یہ مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا۔ کہ نبی کی روح ہی اور ہوتی ہے۔ تو صحیح۔ لیکن ان کا یہ کہنا کہ بعض اوقات ان میں یہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ کہ بشریت سے منسلخ ہو جاتے ہیں۔ اس کی [illegible] ہے۔ اور صاحب عقل سلیم جب غور کریگا۔ اور انصاف سے کام لیگا۔ تو یقین کر لیگا۔ کہ حق یہی ہے۔ جو عرض کیا گیا۔

آیات مبارکہ کلام مجید اس پر دال ہیں۔ کہ نبی کی روح اور ہی ہے۔ چنانچہ خلقت انسانی کو اس طرح

بیان فرمایا ہے" وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِىْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً وَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ"۔ یہاں خلقت انسانی کے چھ درجے دکھلائے گئے ہیں۔ اوّل نطفہ۔ دوم علقہ (خون منجمد)۔ سوم مضغہ (گوشت کا لوتھڑا)۔ چہارم ہڈیاں۔ پنجم گوشت۔ یہاں حیوانیت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر ایک دوسری خلقت میں خلق کیا جاتا ہے۔ یہاں روح انسانی عطا ہوتی ہے۔ اور خلقت انسانی تمام "فتبارک اللہ احسن الخالقین"+

یہ تو خلقت مطلق انسان کا بیان تھا۔ اور آیہ ذیل میں خلقت نبوی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو"۔ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ"۔ میں ایک صورت بشری مٹی سے بنانے والا ہوں پس جب میں اُس کو درست کر لوں۔ اور اپنی خاص روح اُس میں پھونک دوں۔ تو تم سب اُس کے لئے سجدہ تعظیمی بجالاؤ"۔ اِذَا سَوَّيْتُهٗ" تک تو خلقت انسانی ہے۔ اور یہی "اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ" کا درجہ ہے۔

خلقت انسانی

چنانچہ ایک اور آیت میں بھی اس کا ذکر ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِىْۤ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ"۔ اے انسان تجھ کو تیرے اُس پروردگار کی بابت کس نے مغرور کر دیا ہے جس نے تجھ کو خلق کیا۔ اور درست و معتدل بنایا۔ اور جس صورت مناسب میں چاہا۔ تجھ کو ترکیب دیا"۔ پس تسویہ و تعدیل مطلق انسانیت کی تکمیل ہے۔ اور "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ" خلقت نبوتی ہے۔ یہ خاص و مخصوص ہے نبی ہی کے واسطے۔ اور جس طرح خلقت انسانی میں ظاہر ہے۔ کہ روح انسانی داخل ہوتے ہی انسان بن جاتا ہے۔ اور تمام قوئے حاصل ہو جاتے ہیں۔ اُسی طرح روح نبوتی عطا ہوتے ہی نبی بن جاتا ہے۔ اور تمام قویٰ حاصل۔ جو اُس کے ماتحت ہیں+

بدیہی و ضروری ہے۔ کہ اگر دو چیزیں ایسی ہوں کہ ایک میں تو جملہ کمالات بالفعل موجود ہوں۔ اور دوسری میں صرف انہی کمالات کی قدرت و استعداد ہو۔ اور بالفعل کچھ بھی نہ ہو۔ تو یقیناً وہ چیز افضل و اکمل ہے۔ جس میں کمالات بالفعل موجود ہیں۔ پس اگر اس کامل بالقوۃ کو کامل بالفعل پر حاکم بنا دیا جائے۔ تو عقلاء کے نزدیک یقیناً یہ امر قبیح و مذموم شمار ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہے۔ کہ ملائکہ علیہم السلام میں جو کمالات ہیں۔ وہ انہیں بالفعل حاصل ہیں۔ جو کچھ دیا گیا ہے۔ ابتدائے خلقت ہی سے دیا گیا ہے" وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ" ہمارے لئے ایک مقام معین و معلوم ہے۔ اُس سے آگے نہ جا سکتے ہیں۔ اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہے کہ اُن میں حلول و ترقی نہیں ہے۔ اس سے صریح نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ملائکہ

علیہم السلام کو جو کہ عالم بالفعل تھے۔ حضرت آدمؑ ابوالبشر کے لئے سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا جو حکم ہوا۔ تو اگر حضرت آدمؑ اُس
وقت یعنی روح نبوتی کے عطا ہوتے ہی عالم نہ ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ خدا نے افضلین (ملائکہ) کو غیر افضلین (آدمؑ)
کی تعظیم کا حکم دیا۔ یہ صریح تفضیل مفضول بر فاضل اور ترجیح مرجوح ہے۔ اور یہ قبیح و مذموم۔ اور خدا سے فعل قبیح صادر
ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا ضرور اس روح نبوتی کے عطا ہوتے ہی حضرت آدمؑ ملائکہ سے زیادہ عالم ہو گئے تھے۔ اور کمالات
فعلیہ میں تھے نہ بالقوۃ رکھتے تھے۔ ورنہ کوئی وجہ فضیلت ظاہری اُن میں اُس وقت موجود نہ تھی۔ اگر حضرت آدمؑ
معصوم تھے۔ تو بالاتفاق ملائکہ بھی معصوم ہیں۔ اگر حضرت آدمؑ نبی ہونے والے تھے۔ اور ان میں قوت و استعداد
موجود تھی۔ تو ملائکہ عالم تھے۔ اور ایک عالم پر جاہل کو کسی طرح فضیلت نہیں دی جا سکتی۔ "هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ سجدۂ تعظیمی ملائکہ کا اُس نور محمدیؐ کے لئے تھا جو حضرت آدمؑ میں ودیعت
کیا گیا تھا۔ نہ کہ حضرت آدمؑ کے خالی پتلے کو۔ تو جواب اس کا یہ ہے۔ کہ بیشک نور محمدیؐ ہی حضرت آدمؑ میں ودیعت
کیا گیا تھا۔ اور جسد آدمی اس نور اوّلی کے لئے ظرف قرار دیا گیا تھا جو قابل تعظیم ہے۔ لیکن روح نبوتی حضرت آدمؑ بھی
روح اعظم نورانی کی ایک شعاع نورانی تھی۔ مگر اثر اس نور اور روح کا جہالت نہیں ہے۔ بلکہ علم ہے۔ اس کے عطا ہوتے
ہی عالم ہو گئے۔ اسی وجہ سے ملائکہ پر فضیلت حاصل ہوئی۔ کہ عالم بھی تھے۔ حامل نور خاتم النبیینؐ بھی۔ ورنہ نور محمدیؐ
سے ملائکہ کب خالی تھے۔ وہ سب اُسی نور محمدیؐ کی شعاعیں ہیں (فافہم و تدبر فانہ دقیق و بالاتباع حقیق)۔ بلکہ
نص صریح موجود ہے۔ کہ مقام احتجاج میں خدا نے حضرت آدمؑ کے علم ہی کو پیش کیا ہے۔ اور اعتراض ملائکہ کے
جواب میں یہی فرمایا ہے۔ انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صادقین۔ یعنی اگر تم اس سے فاضل اور مستحق خلافت
ہو۔ تو امتحان علم دو۔ پس معیار نبوت و خلافت علم ہی ہے۔ اور اسی سے حضرت کو ملائکہ پر فضیلت دی گئی۔ حضرت
آدمؑ کا مسجود ملائکہ مقربین و غیر مقربین ہونا جن میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ بھی داخل ہیں۔ ضرور حضرتؑ کی فضیلت پر دال
ہے۔ اساس روح کامل کا اثر یہی ہے۔ کہ عطا ہوتے ہی عالم ہو جائیں۔ اور نبی میں یہی ذریعہ علم ہے۔ بلکہ
یہی روح روح علمی ہے۔ جس کو یہ روح دی گئی۔ علم دیا گیا اور عالم ہو گیا چنانچہ آیہ کریمہ بالصراحۃ شاہد ہے۔
الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِن سُلَالَةٍ مِّن مَّاءٍ
مَّهِينٍ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ۔ یعنی حق سبحانہٗ
تعالیٰ وہ ذات پاک ہے جس نے ہر ایک مخلوق کو عمدہ و حسن بنایا ہے۔ اور خلقت انسان کی مٹی سے ابتدا کی۔
پھر ایک آب ذلیل و حقیر سے اُس کی نسل قرار دی۔ اور اُس انسان اوّل کو درست و مکمل بنا کر اُس میں اپنی
ایک خاص روح پھونک دی۔ اور تمہارے واسطے کان آنکھ اور دل عطا کئے۔" اس آیت سے صاف
ظاہر ہے۔ کہ وہ روح خاص ہر ایک انسان کو عطا نہیں ہوتی نیز یہ کہ ہمارے لئے تحصیل علوم کا ذریعہ آلات و اسب

قابلیت خلیفہ قرار دئے گئے ہیں۔ یعنی کان و آنکھ اور دل۔ چنانچہ ایک اور آیت بھی اس مضمون کی تائید کرتی ہے "اَخرَجَکُم مِن بُطُونِ اُمَّهَاتِکُم لَا تَعلَمُونَ شَیئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمعَ وَالاَبصَارَ وَالاَفئِدَۃَ الخ" یعنی اللہ نے تم کو بطونِ امہات سے نکالا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور تمہارے واسطے کان، آنکھ اور دل بنائے" تاکہ ان سے علوم حاصل کرو۔ معلوم ہوا کہ عام انسانوں کے لئے تحصیل علوم کے یہی اسباب ہیں۔ اور نبی کے لئے تحصیل علوم کا ذریعہ وہی روح نبوتی ہوتی ہے۔ ان کے علوم آلات ظاہریہ پر موقوف نہیں ہیں۔ یہی روح حصول علم کا ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ روح عطا ہوئی۔ اور عالم ہو گئے۔ اور یہ روح ہر ایک نبی میں ہوتی ہے۔ البتہ باعتبار شدت و تاکد وجود اس میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔ بعض کامل ہوتی ہیں۔ اور بعض اکمل۔ اسی وجہ سے بعض انبیاء بعض پر فوقیت رکھتے ہیں۔ "وَتِلکَ الرُّسُلُ فَضَّلنَا بَعضَهُم عَلٰی بَعضٍ مِنهُم مَّن کَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعضَهُم دَرَجَاتٍ"۔ غرض انبیاء علیہم السلام میں ایک روح خاص ہوتی ہے۔ اور در اصل وہی روح نبی ہے۔ وہ روح روح علمی نورانی ہوتی ہے۔ یعنی عالم بالفعل۔ چنانچہ حضرت آدم کو جو یہ روح دی گئی۔ وہ عالم ہو گئے۔ اور مسجود ملائکہ قرار پائے۔ اگر ان کے کمالات بالفعل نہ ہوتے۔ تو ہر گز ملائکہ سے افضل نہ ہو سکتے تھے۔ اور "عَلَّمَ اٰدَمَ الاَسمَآءَ کُلَّهَا" (آدم کو تمام اسماء سکھائے) میں تعلیم سے مراد یہی تعلیم ہے۔ کہ روح عطا کر دی۔ اور تمام اسماء جان گئے۔ اور ملائکہ سے سبقت لے گئے۔ اور ملائکہ کو تعلیم دی اور اُستاد بنے۔ (تفصیل آگے آئیگی) +

انبیاء علیہم السلام کی طینتِ نورانیہ

اگر انبیاء علیہم السلام کے حالات کا توجہ سے مطالعہ کیا جائے۔ اور چشم بصیرت سے دیکھا جائے۔ تو یقینی طور پر معلوم ہوگا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کا مادہ ہمارے جیسا مادہ نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہوگا۔ کہ مادۂ کثیفۂ ارضیہ سے ان کو کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اسباب خارجیہ ظاہریہ ان کی خلقت میں دخلیت نہیں رکھتے۔ ان کا مادہ بھی خاص ہے۔ اور ولادت بھی خاص طور سے ہوتی ہے۔ حضرت آدم سے لیکر تا حضرت خاتم جملہ انبیاء کے حالات کو پڑھ جائیے۔ ہمارے بیان کی صداقت مثل آفتاب عالمتاب کے نمایاں و روشن نظر آئیگی۔ حضرت آدم کا حال سب کو معلوم ہے۔ کہ وہاں نہ ماں کا تعلق ہے اور نہ باپ کا۔ نہ نطفہ ارضیہ منویہ کا۔ روح خاص پھونکی گئی۔ اور انسان نبی بن گئے۔ خداوند عالم فرماتا ہے "مَا مَنَعَکَ اَن تَسجُدَ لِمَا خَلَقتُ بِیَدَیَّ" (اے شیطان تجھ کو کس چیز نے روکا ہے کہ تو سجدہ کرے اُس مخلوق کو جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے)۔ ظاہر ہے۔ کہ خدا ہماری طرح کے ہاتھ نہیں رکھتا جس سے کمہار کی طرح بیٹھ کر حضرت آدم کا پتلا گھڑا ہو۔ بلکہ اس میں اس امر کی

طرف اشارہ ہے کہ اس میں دو جزو ہیں۔ ایک روح دوسرا مادہ۔ دونو خاص طرح کے جزو ہیں۔ نہ روح عام انسانوں کی سی ہے۔ اور نہ مادہ اُن جیسا۔ مادہ بھی خاص نورانی ہے۔ اور اسی واسطے اُس کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جس طرح روح کو بوجہ کمال اتصال و قرب منزلت و شرافت اپنی طرف منسوب کیا ہے "نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ" (میں نے اپنی روح اُس میں پھونکی)۔ اسی طرح گویا فرمایا۔ میں نے اپنے خاص مادۂ نورانیہ سے بنایا ہے۔ مادہ کثیفہ ارضیہ اور اسباب خارجیہ کو دخل نہیں یعنی یہ خاص وہ برگزیدہ روح ہے۔ جو عام انسانوں کو نہیں دی گئی۔ اور مادہ وہ مادۂ نورانیہ ہے۔ جس سے یہ محروم ہیں۔ پس ایسے برگزیدہ وجود کو جو مجھ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے۔ اے شیطان تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔ اور بطور تاویل "یَدَیَّ" سے قوت قبض و قوت بسط (جو کہ تیج کے بنانے اور اس کے درست کرنے سے تعلق رکھتی ہے) بھی ہو سکتی ہے۔ اور ظہور ان دونوں کا بیداللہ علیہ السلام سے ہو سکتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے "خَمَّرْتُ طِيْنَةَ اٰدَمَ بِيَدَيَّ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً اَوْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا"۔ نتائمل خیبر الفضائل ملاحظہ ہو مثل حضرت عیسٰے کا "وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ"۔ یہ کلمہ وجودیہ الٰہیہ ہے۔ اور اُس کی ایک خاص برگزیدہ روح یعنی جزو مادی حضرت عیسٰے کا کلمہ وجودیہ الٰہیہ ہے۔ اور دلیل ہے اُس کی قدرت و حکمت و معرفت توحید پہ۔ کہ بلا اسباب خارجیہ کے متعلق اور اجزاء ارضیہ کے ملے یہ پیدا ہوا ہے۔ اور روح بھی روح خاص ہے۔ جو اپنے خالق و صانع سے اتصال و قرب منزلت رکھتی ہے۔ پس انبیاء کا مادہ عام انسانوں کے مادۂ ظلمانیہ کثیفہ سے جدا ہے۔ یہ نورانی بندے ہوتے ہیں +

خلقت انبیاء عالم امر سے ہے نہ عالم خلق سے

آیات مبارکہ و احادیث نبوی و تحقیق محققین سے ثابت ہے۔ کہ عالم دو ہیں۔ عالم امر اور عالم خلق۔ چنانچہ فرماتا ہے "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ"۔ عالم خلق اور عالم امر دونوں کا وہی مالک اور وہی مدبر ہے۔ خلق کا تعلق عموماً جسمانیات سے ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ اکثر جسمانیات ہی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور عالم خلق کی اشیاء درجہ بدرجہ وجود میں آتی ہیں۔ چنانچہ خلق کی بابت خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ (الی ان قال) فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ"۔ اول نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ۔ پھر مضغہ اور پھر ہڈیاں پڑتی ہیں۔ پھر گوشت پوست آتا ہے۔ پھر روح ڈالی جاتی ہے۔ اس طرح بچہ شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ اور اس طرح صورت انسانیہ حاصل کرتا ہے۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ لیکن عالم امر میں ایسا نہیں ہے۔ عالم امر کی چیزیں تعلق خالق و صانع مطلق ہوتے ہی وجود میں آجاتی ہیں۔ وہاں صرف ارادۂ تکوینی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ

ہے "إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَن يَقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ" یعنی امر الٰہی یہ ہے۔ کہ جب اُس نے کسی چیز کا ارادہ کیا تو کہا۔ ہو جا۔ پس وہ ہو گئی"۔ یہ لفظ کُن جو ذکر ہوا۔ اور فصیح ترین و مختصر ترین الفاظ سے اور جامع معانی کثیرہ ہے۔ کہ اس سے بہتر اس کے ادا کرنے کے لئے کوئی لفظ ہو نہیں سکتا۔ یہ محض افہام و تفہیم کے واسطے بیان بیان کیا گیا ہے۔ کہ گویا زبان سے بات نکلی اور ہو گئی۔ ورنہ وہاں کوئی در اصل لفظ نہیں ہے جو خدا بولتا ہے۔ اور کسی چیز کو کہتا ہے۔ کہ ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔ اور چیز تو موجود ہے ہی نہیں جس کو کہتا ہو۔ ہو جا وہ ہو جاتے۔ وہ تصرف اس کے علم میں ہوتی ہے۔ اس کے وجود خارجی میں آنے کا ارادہ کیا۔ وہ فوراً موجود ہو گئی۔ لہٰذا اُس کے کلام سے مراد نفس ایجاد ہے۔ جیسا کہ جناب امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی تصریح فرما دی ہے۔ "لَا بِصَوْتٍ يُقْرَعُ وَلَا بِنِدَاءٍ يُسْمَعُ بَلْ كَلَامُهُ سُبْحَانَهُ إِيجَادُهُ" نہ تو وہ کوئی آواز ہے جس سے کھٹکا و دھما ہو۔ اور نہ کوئی نداء ہے جو سنی جائے۔ بلکہ حق سبحانہ و تعالیٰ کا کلام نفس ایجاد ہے۔ پس جب ارادہ الٰہی عالم امر کی کسی شے سے متعلق ہوا۔ فوراً وہ موجود ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں۔ کہ بتدریج و رفتہ رفتہ حسب استعداد اسباب و آلات بوجود میں آتی ہے۔ چنانچہ جس وقت علماء یہود و نصاریٰ نے جو اپنی کتب کے عالم تھے۔ اور انہوں نے انبیاءؑ کی روح کا حال اپنی کتب میں پڑھا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ اور اُس روح کی بابت دریافت کیا ہے۔ تو من جانب اللہ یہ جواب دیا گیا۔ "قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" یعنی اے پیغمبرؐ ان سے کہدو۔ کہ روح خداوند عالم کے عالم امر سے ہے۔ اور تم کو نہیں دیا گیا ہے علم میں سے مگر تھوڑا سا جزو"۔ مطلب یہی ہے۔ کہ یہ روح عالم امری سے ہے۔ اور تم عالم خلقی سے۔ اور تم کو بہت تھوڑا علم ہے۔ تم عالم امری پر کب احاطہ کر سکتے ہو۔ اور روح کی ماہیت کیونکر پہچان سکتے ہو۔ وہ تو عالم امری سے ہے۔ پس خلقت انبیاء علیہم السلام اسی عالم امری سے ہے۔ نہ عالم خلقی سے۔ ملاحظہ ہو بعد حضرت آدمؑ حال ولادت حضرت اسحاقؑ سورۂ ذاریات میں ہے۔ "وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ"۔ ملائکہ نے ابراہیمؑ کو ایک علیم لڑکے کی بشارت دی +

نکتہ ۔ اہل فہم کے لئے کمال نبوتی کے سمجھنے اور اس امر کے جاننے کے لئے کہ نبی عالم ہی پیدا ہوتا ہے۔ اور بوجود روح اُس کو دی جاتی ہے۔ وہ عالم ہوتی ہے۔ بلکہ نفس علم۔ یہی آیت کافی ہے۔ کہ حضرت اسحٰقؑ کو علیم کہا گیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کو ملائکہ نے خبر دی۔ کہ تمہارے ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جس کی ذات میں علم دخل ہوگا۔ ماں کے پیٹ سے عالم ہی پیدا ہوگا یعنی نبی ہوگا۔ عالم بھی نہیں کہا گیا علیم فرمایا گیا ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں۔ کہ علیم صفت مشبہ ہے۔ اور صفت مشبہ دلالت کرتی ہے ثبوت و قیام پر۔ پس علیم وہ ہے۔ جس کی ذات میں علم قائم و ثابت ہو۔ چنانچہ اوّل و بالذات خداوند عالم علیم ہے جس کا علم ذاتی ہے اور بالثبوت

کہ خود بخود عالم ہے۔ اور اُس کی ذات عین علم ہے۔ اور بعد اُس نے اپنے انبیاء کو علیم کہا ہے۔ کہ اُن کی ذات میں علم ہوتا ہے۔ لیکن اگرچہ وہ علم ذاتی رکھتے ہیں۔ مگر یہ علم اُن کا بالذّات نہیں ہے۔ اور ذات عین علم نہیں ہے خدا نے اُن کو علم دیا ہے۔ اور علیم بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ عزیز مصر سے فرماتے ہیں۔ "اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم۔ مجھ کو خزانوں پر حاکم بنا دے۔ کیونکہ میں حفیظ و علیم ہوں۔ دونوں لفظ صفت مشبّہ استعمال فرمائے ہیں۔ حافظ و عالم نہیں۔ بہرحال انبیاءؑ ماں کے پیٹ ہی سے عالم پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُن کو تحصیل و اکتساب کی مثل ہمارے ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اور آیہ مجیدہ "وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (ہر ایک ذی علم کے اوپر ایک علیم ہے) میں ذی علم سے مراد عالم ہے۔ اور علیم سے مراد حجۃ اللہ نبی و امام اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر زمانے میں ایک "علیم" (جس کا علم ذاتی ہو) کا موجود ہونا ضروری ہے۔ تاکہ علم ہر عالم منتہی ہو اُس علیم کی طرف۔ اور عالم درصل وہی ہے جس نے علم کو اس علیم سے لیا ہو۔ اور یہی اصلی علم ہے۔ اور اس کا علم منتہی ہوتا ہے علیم بالذات حکیم ازلی ابدی خالق عالم کی طرف +

بہرحال جب حضرت ابراہیمؑ کو اس علیم لڑکے کی بشارت دی گئی "فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ"۔ پس اُن کی بیوی اپنی لونڈیوں کی جماعت کے ساتھ آئی۔ اور ملائکہ کو دیکھ کر اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ اور کہنے لگی۔ میں بھی بوڑھی ہوں۔ اور میرا شوہر بھی قابل توالد و تناسل نہیں ہے۔ پھر اس عمر میں علیم لڑکے کی بشارت کیسی ہے۔ اس وقت عمر حضرتؑ کی نوّے سال سے زائد ہم ۹ سال کی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ایک سو بیس سال کی۔ "قَالُوا كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ"۔ ملائکہ نے کہا ایسا ہی ہے۔ کہ نہ تم قابل اولاد ہو۔ اور نہ تمہارا شوہر۔ لیکن یہ حکم تمہارے پروردگار کا ہے۔ اور وہی صاحب حکمت اور علیم مطلق ہے۔ وہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ اور اُس کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ کہ بلا اسباب ظاہرہ جسمانیہ تمہیں اولاد دیدے۔ دوسری جگہ سورۂ ہود میں مذکور ہے "وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ قَالَتْ يَا وَيْلَتَىٰ أَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ"۔ یعنی جب ملائکہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس آئے۔ تو اُن کی بیوی پاس کھڑی ہوئی تھی۔ وہ ہنسی۔ پس انہوں نے اُس کو اسحاقؑ اور بعد اسحاقؑ یعقوبؑ کی بشارت دی۔ تو اُس نے کہا اے عجب کیا اب میں جنونگی۔ جب کہ میں بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ "أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ"۔ ملائکہ نے پھر کہا۔ کہ تم امر الٰہی سے تعجب کرتی ہو اے اہل بیت نبوت! یہ تم ہی پر خاص خدا کی رحمت و برکت ہے۔ اور وہی صاحب حمد و بزرگ و برتر ہے۔ اس میں صاف اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ انبیاء کی خلقت

تو عالم امر سے ہوتی ہے۔ وہاں ان اسباب ظاہریہ جسمانیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف ارادہ الٰہی متعلق ہوا۔ اور پیدا ہو گئے۔ پس اگر تم بوڑھی ہو۔ اور تمہارا شوہر بھی قابل توالد و تناسل نہیں ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ یہاں ان اسباب کی ضرورت ہی نہیں۔ اور یہ خاص رحمت و برکت خدا اہل بیت نبوت و وارثان رسالت ہی کے واسطے ہے۔ عام لوگوں کو اس میں حصہ نہیں۔ پس انبیاء عالم امری سے ہیں۔ اور اور لوگ عالم خلقی سے۔ بجھبر ملاحظہ ہو حال ولادت جناب عیسیٰؑ "قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا" جبرئیل حضرت مریمؑ کے پاس آئے۔ اور کہا میں تمہارے پروردگار کا قاصد ہوں۔ اس لئے آیا ہوں۔ کہ تمہیں پاک و پاکیزہ لڑکا دوں۔ آپؑ نے فرمایا میرے کس طرح لڑکا ہو سکتا ہے۔ حالانکہ نہ مجھے شوہر نے مس کیا ہے۔ اور نہ میں (معاذاللہ) بدکار ہوں۔ جو غیر شوہر سے حاملہ ہوئی ہوں۔ "قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا" جبرئیلؑ نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ کہ نہ تو تمکو شرعی شوہر نے مس کیا ہے۔ اور نہ تم زانی و بدکار ہو۔ لیکن یہ حکم تمہارے خدا کا ہے۔ اور اُس نے کہا ہے۔ کہ یہ امر مجھ پر آسان ہے (کہ میں بلا اسباب ظاہر جسمانیہ خلق کر دوں)۔ اور ہم اس کو لوگوں کے لئے اپنی آیت اور رحمت قرار دینگے۔ اور یہ امر طے شدہ ہے۔ اور قضاء الٰہی جاری ہو چکی ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرماتا ہے۔ "اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ" یعنی سوائے اس کے نہیں ہے۔ کہ عیسیٰؑ کی مثال آدمؑ کی سی ہے۔ کہ اُس کو تراب سے خلق کیا۔ پس کہا اُسکو کہ ہو جا پس وہ ہو گیا۔ اس سے زیادہ اور کیا صراحت ہوگی۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی خلقت و پیدائش مثل حضرت آدمؑ عالم امری ہی سے ہے۔ یہاں اسباب خارجیہ کو کوئی دخل نہیں۔ ارادۂ الٰہی متعلق ہوا۔ اور پیدا ہو گئے۔ "وَكَلِمَتُهٗٓ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" سے مزید توضیح ہوتی ہے۔ کہ ان کا مادہ مادہ ارضیہ جسمانیہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس مادۂ کثیفہ کو کوئی دخل ہی نہیں۔ اُن کا مادہ لدنیہ خاص عالم امر سے ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ شکم مادر میں زیادہ سے زیادہ چار دن رہے ہیں۔ روز جمعہ بعد زوال حضرت مریمؑ حاملہ ہوئیں اور سہ شنبہ (منگل) کو بعد زوال تقریباً چار بجے کنار فرات حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ اور بعض روایات میں صرف چند ساعت شکم مادر میں رہنا مذکور ہے۔ اور اسی طرح حضرت اسحٰقؑ۔ بہرصورت ثابت ہے۔ کہ خلقت انبیاءؑ خاص صورت رکھتی ہے۔ اور ان کا مادہ مادۂ نورانیہ ہے۔ اس مادۂ ظلمانیہ کثیفہ ارضیہ کو ان کی خلقت میں دخل نہیں۔ (فتذکر ولا تغفل) +

خواص مادۂ نورانیہ انبیاءؑ ان کے مادے کے اثرات خود شاہد ہیں۔ کہ یہ مادہ ارضیہ کثیفہ نہیں ہے۔ بلکہ فوق مواد ارضیہ ہے۔ اور ان پر غالب۔ مواد ارضیہ اس میں اثر نہیں کر سکتے۔ پڑھئے قصہ حضرت یونسؑ جو تمام

کتب عہد عتیق و جدید میں مذکور ہے۔ کہ بروایتے چالیس اور ایک روایت کی رو سے کم سے کم تین روز شکم ماہی میں زندہ و سلامت رہے۔ کونسا دوسرا انسان ہے۔ جو شکم ماہی میں چالیس روز یا تین روز زندہ رہ سکے۔ وعلیٰ ہذا القیاس قصہ حضرت موسےؑ جس وقت متولد ہوئے ہیں۔ اور فرعون ملعون کو خبر ملی۔ تو اس نے مفتش کو تلاش اور دریافت حال کے لئے بھیجا۔ جب وہ جناب موسےؑ کی والدہ کے گھر میں داخل ہوا تو انہوں نے حضرت موسےؑ کو ایک تنور میں رکھ دیا۔ اور اوپر سے کچھ لکڑیاں ڈال دیں۔ تاکہ دکھائی نہ دیں۔ اتنے میں ایک لونڈی آئی۔ اور اس نے بے خبری میں اور لکڑیاں ڈال دیں۔ اور آگ تنور میں روشن کر دی جس وقت مفتش تلاش کر کے چلا گیا۔ تو والدۂ جناب موسےؑ دوڑیں۔ اور چلائیں کہ تنور میں آگ کس نے روشن کر دی۔ اس میں تو میرا بچہ تھا۔ لونڈی نے عرض کی۔ کہ اس نے ایسا کیا ہے۔ اور اسے خبر نہ تھی جب تنور کے پاس جا کر مادر موسےؑ نے دیکھا۔ تو کیا دیکھتی ہیں۔ کہ صحیح و سالم بیٹھے ہوئے آگ سے کھیل رہے ہیں۔ مادۂ جسمانیہ نبویہ پر آگ نے اثر نہ کیا۔ قصہ حضرت ابراہیمؑ و آتش نمرود مشہور و معروف ہے۔ ذکر کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح حضرت موسےؑ کا دریا میں صندوق میں بند کر کے ڈالا جانا اور زندہ رہنا۔ (فاقذفیہ فی الیم) کیوں نہ ہو۔ روح مقدس نورانی کے واسطے محل و ظرف بھی پاک و نورانی ہی چاہیئے۔ اس روح خاص کے لئے محل بھی خاص ہی چاہیئے۔ اور اسی طرح عالم نورانی سے۔ محل مناسب حال ہو۔ اور ظرف مطابق مظروف۔ اگر محل مناسب حال و ظرف مناسب مظروف نہ ہوگا۔ تو اس کو برداشت نہ کر سکیگا۔ قطعاً یہ مادۂ نورانیہ نبی فوق مواد جسمانیہ و عالم کثیف جسمانی ہے۔ اور اس پر غالب و حاکم۔ مؤثر حقیقی خداوند عالم نے اس کو یہ تاثیر دی ہے۔ کہ یہ عناصر ادبیہ ارضیہ اس پر غالب نہیں آسکتے جب تک کہ خود نہ چاہے۔ اور حکم حاکم حقیقی قبولیت کے لئے نہ ہو۔ افسوس ہے۔ کہ اس مختصر میں زیادہ طول کی گنجائش نہیں۔ ورنہ اس کی بیشمار نظائر و امثال ہیں۔ کہ اصل مادہ نبی یہ مادہ نہیں۔ اس عالم سے خارج ہے۔ یہاں اہل انصاف کے لئے اتنا ہی بیان کافی ہے۔ انشاء اللہ دوسرے مقام پر اسکی تائید اور بھی کی جائیگی۔ محقق ہے۔ کہ عالم جسمانی عالم نفسانی میں مؤثر و متصرف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ نفس میں ایک جنبہ روحانی ہوتا ہے۔ اور مادہ روح میں مؤثر و متصرف نہیں ہوسکتا۔ اور عالم نفسانی عالم روحانی عقلانی میں مؤثر و متصرف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ روح عقلانی ہے۔ اور نفس میں جنبہ جسمانی موجود ہے۔ پس جبکہ مادہ انبیاء عالم امر سے ہے۔ یہ عالم طبعی جسمانی کیونکر اس میں مؤثر اور اس پر متصرف ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے لئے موت طبعی جسمانی نہیں ہے کہ لا یموتون الا باختیارھم۔ اور عناصر اربعہ ان میں ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ الا بالارادہ۔ فاعتبروا +

پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ کہ روح نبوتی ملائکہ سے افضل و اشرف و اکمل ہوتی ہے۔ ورنہ آدمؑ مسجود ملائکہ کے مستحق نہ ہوتے۔ اور روح نبوتی فوق ملائکہ نہ ہو۔ تو ہرگز فرشتے اور شیطان میں تمیز نہیں کر سکیگی۔ اور

نہ معلوم کر سکیں گے کہ یہ کلام الٰہی ہے وحی رحمانی ہے یا القاء شیطانی۔ اور جب ان کی روح روح قدس اور حقیقت علمیہ نوریہ و روح علمی ہے۔ اور طینت اُن کی طینت نورانیہ تو یہ روح علمی اس مادۂ نورانیہ میں داخل ہو کر اُس کے علم و کمالات میں نقص و انحطاط پیدا نہیں کر سکتی۔ عالم ہی رہیگی۔ اس لئے ان کی بابت یہ کہنا کہ عالم ارواح میں تو یہ عالم ہوتے ہیں۔ مگر اس عالم میں آکر اور مواد جسمانیہ میں داخل ہو کر ان میں ہماری جیسی بشریت آجاتی ہے۔ وہ علم و کمال باقی نہیں رہتا۔ محض جہل و لغو ہوگا کیونکہ مادۂ نورانیہ ہے۔ پس روح نورانی علمی مادیہ نوریہ سے متعلق ہو کر نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہوگی۔ نہ کہ تاریکی جہالت میں آکر ظلمت محض۔ عالم ارواح اور نشاء اولیٰ میں تو ہماری ارواح بھی حسب استعداد عالم تھیں کیونکہ اس عالم کے عوائق کثافت مادیہ انفسیہ سے مجرد تھیں۔ چنانچہ سورۂ واقعہ میں خداوند تبارک و تعالیٰ اسی مضمون کی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ "وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ" تحقیق کہ تم عالم اول کے عالم ہو پھر کیوں اُس کو یاد نہیں کرتے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جہالت محض ہم پر اس مادۂ جسمانیہ کثیفہ میں داخل ہونے سے عارض ہوتی ہے۔ اسی واسطے پیغمبروں کا کام ہم کو نشاء اولیٰ اور عالم اوّلی کا یاد دلانا ہے۔ "اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ" اے پیغمبر سوائے اس کے نہیں ہے کہ تم یاد دلانے والے ہو۔ اور اُن پر داروغہ و مسلط نہیں ہو۔ پس عالم ارواح میں تو اپنی استعداد وجودی کے موافق ہماری روحیں بھی عالم ہوتی ہیں۔ اس عالم جسمانی ظلمانی میں آکر بھول جاتی ہیں۔ اور اُن میں تاریکی آجاتی ہے۔ اسی واسطے اُن کو یاد دہانی کی ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ انبیاء کا مادہ یہ مادہ ظلمانیہ نہیں ہے۔ اور اُن کی روح حقیقت علمیہ نوریہ ہوتی ہے۔ اس عالم میں اُس پر جہالت دوبارہ طاری نہیں ہو سکتی۔ وہ عالم ہی رہتی ہے۔ اور جو کمالات و علوم و ملکات اُن کے ماتحت نوع انسان میں ہوتے ہیں۔ وہ ان میں بدرجہ اتم و اکمل موجود ہوتے ہیں۔ کیونکہ فوق الانسان ہے۔ بلکہ وہ بعد فعلیت میں ہوتے ہیں۔ اور اسی واسطے وہ تحصیل علوم و کمالات میں تعلیم اکتسابی رواجی کے محتاج نہیں ہوتے۔ اور حضرت آدمؑ کو ملائکہ پر فضیلت بوجہ فعلیت کمال علم ہی تھی علم ہی اصل کمال و عین فضیلت ہے۔ اس علم ہی کی وجہ سے خلیفہ فی الارض ہوئے۔ اور اسی سے معلم ملائکہ قرار پائے۔

کوئی یہ شبہ نہ کرے۔ کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام اوّل انسان تھے۔ اس لئے بغرض اظہار قدرت حق و شرف و کرامت حضرت آدمؑ اُن سے یہ باتیں خلاف عادت بطور اعجاز ظاہر ہوئیں۔ اس لئے کہ ایسے امور کا ظہور کچھ حضرت آدمؑ ہی سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ تمام انبیاء سے اسی قسم کے امور زمانہ حمل۔ وقت ولادت اور عہد طفولیت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ سوائے خلق تقدیری یعنی صورت ظاہر بشریہ۔ باقی تمام امور مادہ و طینت۔ منشاء و مولد میں دوسرے انسانوں سے ممیز و ممتاز ہوتے ہیں۔ اور ان سے ابتداء ہی سے ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو عام انسانوں میں نہیں پائی جاتیں۔ اور اسی سے پہچانے جاتے ہیں۔ اور یہ اُسی

روح قدس کے اثرات ہیں جس کے کمالات بالفعل ہوتے ہیں۔ اور محتاج تعلیم رواجی واکتساب نہیں ہوتی۔ اور وہ خاص انبیاء ہی کو دی جاتی ہے۔ اور یہی اصل نبی ہے۔

مزید شہادت کلام حمید مجید

بہت سی آیات اس امر پر دال ہیں۔ کہ نبی کی نبوت روح قدس نبوتی سے ہے نہ نفس ناطقہ انسانیہ سے۔ چنانچہ فرماتا ہے " رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ " (مومن) یعنی " اللہ تعالےٰ ہی درجات و مراتب کا بلند کرنے والا صاحب علم ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے۔ ایک روح اپنے عالم امر سے عطا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس روح کے ذریعہ سے لوگوں کو ہول قیامت سے ڈرائے " مطالب ذیل پر آیت بالصراحت دال ہے۔ اوّل درجات کا بلند کرنیوالا اور ہر ایک کو مرتبہ عطا کرنے والا خدا ہی ہے۔ جس کو وہ چاہے۔ عطا کر سکتا ہے۔ دوم روح نبوتی کے ساتھ اس کا ذکر کرنا دلالت کرتا ہے۔ کہ درجۂ نبوت موہبتی ہے۔ جس کو خدا مرحمت فرمائے۔ اکتسابی نہیں۔ کہ جو شخص نیک کام کرے۔ وہ نبی بن سکتا ہے۔ یہ عین انکار نبوت ہے۔ سوم خدا اپنے بندوں میں جس کو اختیار کر لیتا ہے۔ اُس کو ایک خاص روح جو عالم امر سے ہے نہ عالم خلق و عالم مواد سے عطا کرتا ہے۔ اور معلوم ہے۔ کہ روح انسانی تو ہر ایک انسان میں ہوتی ہے۔ پس یہ خاص روح جو خاص خاص برگزیدہ اور منتخب بندوں کو دی جاتی ہے۔ یہ روح نبوتی ہے۔ اور اس روح کے ذریعے اُس کا نذیر ہونا صاف اسی کی تائید کرتا ہے۔ کہ یہ روح نبوت ہی ہے۔ کیونکہ نذیر نبی ہی ہوتا ہے۔ چہارم اسی روح کے ذریعے سے نبی بشیر و نذیر ہوتا ہے۔ اور یہی بار نبوت و رسالت اُٹھاتی ہے۔ عام ارواح میں اس بار عظیم اُٹھانے کی طاقت نہیں۔ پنجم یہ کہ بلندی درجات عالیہ تا عرش ہے۔ اور گویا یہ روح عالم امری عرش یعنی علم الہٰی سے اتصال رکھتی ہے۔ علم وہاں سے لیتی ہے۔ اور ہمیشہ اس کو اس سے ایک تعلق رہتا ہے۔ اور جب یہ روح اس عالم سے ہے۔ تو چاہیئے۔ کہ اس کا مادہ بھی عرشی ہو ورنہ اس روح کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ پس ضرور نبی کا مادہ بھی عرشی ہے خصوصاً سید النبیین صلعم کا۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آپ جسم عنصری سے فوق سدرۃ المنتہےٰ عرش تک پہنچے اگر یہ مادہ مادۂ عرشی نہ ہوتا۔ اور اس کا مرکز عرش و عالم امر نہ ہوتا۔ تو یہ جسم وہاں ہر گز نہ پہنچتا۔ کیونکہ اپنے مرکز سے کوئی چیز اونچی نہیں جا سکتی۔ ششم۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ نبوّت ایک درجہ رفیعہ ہے۔ جس کو خدا عطا کرے۔ اور اس لئے نبی مشتق ہے نَبْوَة و نباوۃ سے۔ جس کے معنی بلندی و علو کے ہیں۔ چنانچہ جوہری اور صاحب منتہی الارب و صاحب مجمع البحرین نے لفظ نَبْوَة و نَبَاوَة کے ضمن میں لکھا ہے۔ اور علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ والنبی الذی

لہ الرفعۃ والدرجۃ العظیمۃ۔ نبی وہ ہے جس کو رفعت و درجہ عظیمہ حاصل ہے۔ اور صدوق علیہ الرحمہ لفظ نبی کی توجیہ میں فرماتے ہیں "النبوۃ لفظ ماخوذ من النبوۃ وھو ما ارتفع من الارض فمعنی النبوۃ الرفعۃ ومعنی النبی الرفیع"۔ یعنی لفظ نبوۃ ماخوذ ہے نبوۃ سے جس کے معنی بلند زمین کے ہیں۔ پس معنی نبوت رفعت ہیں۔ اور معنی نبی صاحب مرتبہ رفیعہ۔ پس جن لوگوں نے نبی کو نباء بمعنی خبر سے ماخوذ سمجھا ہے۔ اور نبی کے معنی مخبر لئے ہیں۔ وہ درست و صحیح نہیں۔ کیونکہ علاوہ اس کے وہ معنی آیت سے ماخوذ نہیں۔ یہ قباحت لازم آتی ہے۔ کہ اس توجیہ سے بہت سے انبیاء خارج ہوئے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ بہت سے نبیاء ایسے ہوئے ہیں۔ جو صرف اپنے ہی نفس پر نبی تھے۔ اور مامور تبلیغ نہ تھے۔ مامور بہ تبلیغ کل تین سو تیرہ ہوئے ہیں۔ جو مرسل کہلاتے ہیں۔ اور کل انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ پس اگر نبی کے معنی مخبر عن اللہ لئے جائیں۔ تو سوائے تین سو تیرہ مرسلین باقی تمام اس توجیہ سے خارج ہو جائینگے۔ نیز اور بھی قباحتیں لازم آتی ہیں۔ جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ اور یہ جو کچھ علماء اور اہل لغت نے لکھا ہے۔ لفظ نبی کی توجیہ ہے نہ تعریف حقیقت و ماہیت نبی۔ جیسا کہ اکثر علماء کی عبارات سے ظاہر ہے۔ کہ فرماتے ہیں: "لم سمی النبی نبیا"۔ نبی کو نبی کیوں کہا گیا ہے۔ اور تعریف شے اور چیز ہے اور توجیہ لفظ اور شے۔ مثلاً جس وقت کہا جاتا ہے "الانسان ما ھو"۔ انسان کیا ہے اور اس کی ماہیت کیا۔ تو جواب میں کہا جاتا ہے "الانسان حیوان ناطق"۔ اور جب کہا جاتا ہے۔ کہ "لم سمی الانسان انسانا"۔ انسان کا نام انسان کیوں رکھا گیا ہے۔ تو مثلاً کہا جاتا ہے۔ کہ "لانہ مشتق من الانس"۔ یعنی یہ انس سے مشتق ہے۔ اور چونکہ اس میں انس پایا جاتا ہے انسان کہلاتا ہے۔ پس نبی کو نباء یا نباوۃ سے مشتق لینا۔ اور اس کی توجیہ۔ وجہ تسمیہ و توجیہ لفظ ہے۔ نہ تعریف نبی۔ جنہوں نے اس کو تعریف نبی سمجھا ہے۔ سخت غلطی کھائی ہے۔ تعریف نبی یہی ہے "النبی بشر یوحی الیہ"۔ ایضاً "یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ"۔ نازل کرتا ہے ملائکہ کو ساتھ روح جو اس کے عالم امر سے ہے۔ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے (اور اس لئے ان کو دیتا ہے) کہ ڈراؤ ان کو۔ کہ میں ہی معبود ہوں۔ میرے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں۔ پس مجھ سے ڈرو۔ یعنی اس روح کے ذریعے سے وہ بشیر و نذیر ہوتے ہیں۔ (نحل) ایضاً "وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ"۔ (بقرہ)۔ ایضاً "اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" (مائدہ)۔ پھر تمام انبیاء کے باب میں فرماتا ہے "وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ"۔ (اپنی ایک روح خاص سے ان کی تائید کی ہے)۔ اور اپنے حبیبؐ سے خطاب کر کے فرماتا ہے "وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا"۔ تمام آیات کا خلاصہ و ماحصل یہی ہے۔ کہ انبیاءؑ میں ایک روح خاص ہوتی ہے۔ جس کو

روح قدس بھی کہا جاتا ہے۔ اور وہی حامل نبوت ہے احادیث صحیحہ لاتعد ولاتحصیٰ اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ تبرکاً چند

روح القدس کا ثبوت احادیث سے

ذکر کی جاتی ہیں۔ عن **جابر** رضؓ۔ قال سئلت ابا جعفر علیہ السلام عن الروح قال یا جابر ان اللہ خلق الخلق علی ثلث طبقات و انزلھم ثلث منازل وبیّن ذالک فی کتابہ حیث قال واصحاب المیمنۃ ما اصحاب المیمنۃ واصحاب المشئمۃ ما اصحاب المشئمۃ والسابقون السابقون اولئک المقربون فاما ماذکر من السابقین فھم انبیاء مرسلون وغیر مرسلین جعل اللہ فیھم خمسۃ ارواح روح **القدس** وروح الایمان وروح القوۃ وروح الشھوۃ وروح البدن وبیّن ذالک فی کتابہ حیث قال تلک الرسل فضلنا بعضھم علٰی بعض فمنھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات واٰتینا عیسی ابن مریم البیّنات وایدناہ بروح القدس ثم قال فی جمیعھم وایدھم بروح منہ فبروح القدس بعثوا انبیاء مرسلین وغیر مرسلین وبروح القدس علموا جمیع الاشیاء الخ۔ جابر رضؓ سے منقول ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روح کی بابت سوال کیا۔ تو آپؑ نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالٰے نے لوگوں کو تین طبقوں میں خلق فرمایا ہے۔ اور تین درجوں میں رکھا ہے۔ اور اس کو اپنی کتاب میں ظاہر فرمادیا ہے۔ جہاں کہ فرمایا ہے کہ ایک اصحاب یمین یعنی ابرار ہیں۔ ایک اصحاب شمال یعنی گنہگار۔ اور تیسرا گروہ سابقین کا ہے۔ اور وہی مقربین ہیں بس جو سابقین مقربین بیان کیے گئے ہیں وہ انبیاء مرسل وغیر مرسل ہیں۔ ان میں اللہ تعالٰے نے پانچ روحیں رکھی ہیں۔ یعنی ۱ روح قدس۔ ۲ روح ایمان۔ ۳ روح قوت۔ ۴ روح شہوت۔ ۵ روح بدن۔ اور اس کو بھی (کہ نبی میں ایک روح قدس ہوتی ہے) اپنی کتاب میں بیان فرمادیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے۔ کہ ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ پس بعض وہ ہیں۔ جن سے اللہ نے کلام کیا۔ اور کلیم اللہ مشہور ہیں۔ اور بعض کو اس سے بھی بہت زیادہ درجات عطا کیے۔ اور ہم نے عیسٰیؑ بن مریمؑ کو معجزات بیّنہ اور دلائل واضحہ دیں۔ اور روح قدس سے اس کی تائید کی۔ پھر سب انبیاء کے باب میں فرمایا۔ کہ خدا نے ان سب کی اپنی ایک خاص وبرگزیدہ روح سے تائید کی ہے۔ پس روح قدس ہی کے ساتھ انبیاء مرسلین وغیر مرسلین بھیجے گئے ہیں۔ وہی بار نبوت ورسالت کو اٹھاتی ہے۔ اور اسی روح سے وہ تمام باتوں کو جان لیتے ہیں۔ اور سب چیزوں کے عالم ہوجاتے ہیں۔

ایضاً عن **جابر** رضؓ قال قال ابو جعفر علیہ السلام ان اللہ خلق الانبیاء والائمۃ علی خمسۃ ارواح روح القوۃ وروح الایمان وروح الحیواۃ وروح الشھوۃ و**روح القدس** فروح القدس من

الله وسائر هذه الارواح یصیبها الحدثان وروح القدس لا یلهو ولا یتغیر ولا یلعب ولا بروح
القدس علموا یا جابر مادون العرش الیٰ ما تحت الثریٰ۔ یعنی فرمایا امام نے کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء
اور ائمہؑ میں پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں۔ روح قوت۔ روح ایمان۔ روح حیات۔ روح شہوت اور روح قدس۔
پس روح القدس تو اللہ سے ہے (یعنی اُس کی خاص برگزیدہ روح ہے۔ اور اس عالم کثیف جسمانی سے نہیں
ہے)۔ باقی تمام ارواح پر حوادث زمانیہ طاری ہوتے ہیں اور اثر کرتے ہیں۔ اور روح قدس نہ تو لہو و لعب میں
مشغول ہوتی ہے۔ اور نہ اس میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ کہ کبھی کچھ تھی اور کبھی کچھ ہو گئی۔ ایضاً عن مفضل رض
عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال یا مفضل ان اللہ تبارک وتعالیٰ جعل للنبی خمسۃ ارواح روح
الحیوۃ فیہ دب ودرج وروح القوۃ فیہ نھض وجاھد وروح الشھوۃ فیہ اکل وشرب واتی
النساء من الحلال وروح الایمان فبہ امر وعدل وروح القدس فبہ حمل النبوۃ (الیٰ ان قال)
وروح القدس لا ینام ولا یغفل ولا یلھو ولا یبطر والاربعۃ الارواح تنام وتلھو وتغفل وتسھو وروح القدس
ثابت یری بہ ما فی شرق الارض وغربھا وبرھا وبحرھا الخ۔ حضرت صادق علیہ السلام نے مفضل سے بیان
کیا کہ اے مفضل اللہ تبارک وتعالےٰ نے نبی کے لئے پانچ روحیں بنائی ہیں۔ روح حیات جس سے چلتا پھرتا
اور حرکت کرتا ہے۔ روح قوۃ جس سے اُٹھتا اور جہاد کرتا ہے۔ روح شہوت جس سے کھاتا پیتا اور عورتوں سے
بطریق حلال صحبت کرتا ہے۔ روح ایمان جس سے امر ونہی وعدل وانصاف کرتا ہے۔ روح قدس جس سے
بار نبوت کو اُٹھاتا ہے (یہاں تک کہ فرمایا) اور روح قدس نہ سوتی ہے نہ غافل ہوتی ہے۔ اور نہ لہو و لعب
میں مشغول۔ اور باقی چاروں روحوں پر لہو وسہو وغفلت طاری ہوتی ہے۔ اور روح قدس ثابت وقائم رہتی
ہے۔ جس سے شرق وغرب اور خشک وتر کی چیزیں دیکھتا ہے۔ وفی المومنین اربعۃ ارواح۔ روح
الایمان وروح القوۃ وروح الشھوۃ وروح المدارج الخ۔ اور مومنین میں چار روحیں ہوتی ہیں روح
ایمان۔ روح قوت۔ روح شہوت اور روح مدرج یعنی روح حیات (بصائر الدرجات اصول کافی) اس مضمون
کی بہت سی احادیث ہیں۔ اگر سب کو لکھا جائے۔ تو اچھی خاصی کتاب بن جائے۔ مضمون سب کا تقریباً
ایک ہے۔ اس واسطے انہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امامت کے ذیل میں اور درج کی جائینگی۔ ان احادیث
سے مطالب ذیل مستنبط ہوتے ہیں۔ اوّل انسانوں کے تین درجے۔ اصحاب یمین یعنی ابرار۔ اصحاب
شمال یعنی گنہگار۔ اور سابقین مقربین یعنی انبیاءؑ و حجج اللہؑ۔ دوم وجہ اختلاف ارواح ہیں۔ جیسا کہ اصل اختلاف
انواع وغیرہا اختلاف قوائے باطنیہ پر مبنی ہے۔ سوم باعتبار شدت وتاکد وجود ارواح قدسیہ بعض بعض
سے افضل ہوتی ہیں۔ اور اس واسطے بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں۔ چہارم روح قدس صرف انبیاءؑ و

ائمہ میں ہوتی ہے۔ عام انسانوں میں نہیں ہوتی۔ **پنجم** روح قدس ہی حامل بار نبوت ہے۔ **ششم** اس روح قدس
سے مراد جبرئیل نہیں ہیں۔ جو کبھی کبھی انبیاء پر نازل ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ایک روح خاص ہے۔ جس طرح عام انسانوں کو
روح انسانی دی جاتی ہے۔ اور انسان کی انسانیت اسی روح پر ہے۔ یعنی دراصل وہی روح انسان ہے۔ اسی
طرح نبی کو یہ روح قدس دی جاتی ہے۔ اور اسی روح سے نبی نبی ہوتا ہے۔ **ہفتم** یہ روح قدس ہی ہے کہ علوم
انبیاء سب۔ اسی کے ذریعہ سے تمام علوم حاصل کرتے ہیں۔ اور عرش سے عرش تک کی باتیں جانتے ہیں
روح قدس کو موانع و عوائق عارض نہیں ہوتے۔ اور اس کو غافل نہیں کرتے۔ اور اس کا عمل کسی وقت باطل
نہیں ہوتا۔ دیگر ارواح میں حوادث زمانیہ سے تغیرات واقع ہو جاتے ہیں مگر یہ تغیر پذیر نہیں۔ **ہشتم** یہ روح لہو
لعب اور ایسے امور دنیا کی طرف متوجہ اور ان میں مشغول نہیں ہوتی۔ **نہم** اللہ تعالے سے جو اختصاص و تعلق خاص
اس روح قدس کو حاصل ہے۔ وہ اور ارواح کو نصیب نہیں۔ اسی وجہ سے اس کو خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف
منسوب کیا ہے۔ اور قول امام "روح القدس من اللہ" (روح اقدس اللہ کی ہے) مستنبط آیہ شریفہ "روح
منہ" و "روح من امرنا" (روح وحی) سے ہے۔ **دہم** روح قدس کو سہو و نسیان عارض نہیں ہوتا۔ اس لئے
نبی کے لئے سہو و نسیان کا قائل ہونا درست نہیں۔ **یازدہم** تمام ارواح کو نیند آتی ہے مگر یہ ہمیشہ بیدار
ہے۔ قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي"۔ میری آنکھ سوتی ہے۔ مگر دل بیدار
رہتا ہے۔ یعنی ادراک یا احساس باطنی میں کسی طرح کا فرق نہیں آتا۔ اسی واسطے وہ شہید علے الناس ہوئے
ہیں۔ اگر غفلت طاری ہو۔ تو شہید نہیں ہو سکتے (جیسا کہ بیان ہوگا)۔ ونحن معاشر الانبیاء تنام العین
ولا ینام القلب بھی مشہور ہے۔ یہاں سے بخوبی واضح ہے۔ کہ یہ روح نفس علم ہے غفلت و
ذہول و سہو و نسیان کو یہاں راہ نہیں۔ اس کا دامن علم و معرفت کبھی کثافت جہل اور
نادانی سے آلودہ نہیں ہوتا۔ جبکہ یہ روح بخصوصیات خاصہ حضرت حق جل شانہ کی طرف منسوب ہے۔
اور جس کو وہ قرب و اتصال منزلت و کرامت حاصل ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں۔ تو یہ ضرور متصف باوصاف
الٰہی و متخلق باخلاق خداوندی ہونی چاہیئے۔ تاکہ خلافت الٰہیہ کی مستحق ہو۔ اور خلیفۃ اللہ کہلائے۔ خلیفہ اپنے
مستخلف کا (جس کا خلیفہ ہے) آئینہ ہوتا ہے۔ چاہیئے کہ اس کی صفات کا عکس اس میں پایا جائے۔ تاکہ اسکی
معرفت کا وسیلہ بن سکے۔ **نکتہ** ۔ ان احادیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان میں چند روحیں
ہیں۔ اور نبی میں ان سے زیادہ ایک روح قدس ہوتی ہے۔ لیکن ذہن قاصر میں یہ آتا ہے۔ اور اس کی طرف
اشارہ بھی کیا ہے۔ کہ انسان میں دراصل ایک ہی روح ہے۔ یعنی یہ کہ انسان میں اصطلاح حکماء میں جو روح نباتی
و روح حیوانی و روح انسانی کہی جاتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ روح نباتی و روح حیوانی و روح انسانی

علیحدہ علیحدہ روحیں ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ انسان جو فوق حیوان ہے۔ اس میں ایسی روح ہوتی ہے۔ جو جامع ہے جملہ کمالات و قوائے ماتحت حیوان و نبات کو مع شے زائد۔ اس میں قوت انشاء ہے۔ تحریک ہے حساس ہے مع نطق یعنی بیان جو دوسرے حیوان میں نہیں ہے۔ اور اس روح سے دوسرے حیوانوں سے ممیز و ممتاز ہو جاتا ہے۔ پس روح انسانی جامع ہے روح جمادی۔ نباتی اور حیوانی کو۔ یہ سب صفتیں اس میں موجود ہیں۔ اُن کو علیحدہ علیحدہ ارواح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس مطلب یہی ہے۔ کہ نبی میں وہ روح ہوتی ہے۔ جو جامع اپنے ماتحت کی جملہ ارواح کی مع زیادتی قوت قدسیہ جس کا اثر کلام الٰہی سُننا وحی کو اخذ کرنا اور بار نبوت کو اُٹھانا ہے۔ اور غرض یہ ہے۔ کہ نبی کی روح کامل و اکمل ہوتی ہے تمام ارواح سے۔ جو اس کے ماتحت انواع میں کمالات ہوتے ہیں۔ وہ سب اس میں موجود ہوتے ہیں مع شے زائد۔ اور وہ مقدس و پاک ہے جملہ عیوب و نقائص سے۔ بلکہ افضل ہے ملائکہ سے۔ یہاں سے وہ قول بھی غلط ثابت ہوا جس میں نبی کو صنف نفوس انسانیہ کہا گیا۔ کیونکہ اس کی روح فوق جمیع ارواح ہے۔ پس اگر باوجود اس روح کے ہوتے ہوئے وہ صنف کہلائے۔ تو لازم آئیگا۔ کہ اصناف انسان مثل زنگی و رومی و عربی و عجمی سب ایک روح رکھتے ہوں جو دوسروں میں نہ ہو۔ حالانکہ یہ بدیہی البطلان ہے۔ نہ عربی میں روح زائد ہے اور نہ عجمی میں۔ نہ رومی میں۔ نہ حبشی میں۔ بلکہ صنفیت صرف نسبت و اضافت پر موقوف ہے۔ اور نسبت عوارض خارجیہ سے ہے۔ فتامل فیہ +

دفع شبہ۔ یہاں ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ مومن میں چار روحیں ہوتی ہیں اور کافر میں تین۔ پس بظاہر چاہئے۔ کہ مومن ایک نوع خاص ہو۔ اور کافر نوع دیگر۔ لیکن ہمارے بیان سابق سے یہ شبہ رفع ہو جاتا ہے۔ کہ مومن کی چار ارواح سے یہ مطلب ہے۔ کہ وہ جامع ہے اُن چار قوتوں یا صفتوں کو۔ اور کافر میں صفت ایمان نہیں ہوتی۔ اور یہ صفت و قوت ایمان ان میں ہے۔ نہ یہ کہ اس میں اصلاً روح ایمان یا قابلیت و استعداد ایمانی نہیں۔ اگر ایسا ہو۔ تو کوئی کافر مکلف نہ ہوگا۔ اور کوئی مجرم نہ ٹھہریگا۔ بلکہ سب مجبور بلکہ مجبول بکفر ہونگے۔ اور یہ باطل ہے۔ لہٰذا اصل روح مومن و کافر ایک ہی ہے۔ لیکن بعد تکلیف اور بعد عہد و میثاق کے مومن پر افاضہ نور ایمان ہوا۔ اور منکر و کافر اس سے محروم ہے۔ اور یہ مطلب ہے۔ کہ مومن میں چار روحیں ہوتی ہیں۔ ایک روح ایمان ہے۔ "ومن ھھنا ینحل اشکال مسئلۃ الطینات۔ فتدبر فیہ بامعان النظر +

پس دلائل عقلیہ و آیات قرآنیہ و احادیث معادن علوم نبویہ سے ثابت ہوگیا۔ کہ نبی میں مابہ الامتیاز و الافتراق دراصل یہی روح قدس ہے۔ لیکن چونکہ یہ غیر محسوس و مرئی ہے بلکہ غیر مدرک۔ اس لئے منکرین نے اس کے

لازم اور اثر خاص یعنی وحی سے تعبیر کیا گیا۔ اور نبی کی تعریف یوں کی گئی ہے "النبی بشر یوحی الیہ"۔ جس طرح کہ انسان کی تعریف میں فصل ممیز نطق کو کہا جاتا ہے۔ حالانکہ درمیان انسان و حیوان اصل ممیز نفس ناطقہ انسانی و روح عقلانی ہے۔ اور نطق اس کا اثر لازمی۔ پس وضع اللازم موضع الملزوم ہے۔ وھو صحیح۔ اور یہ روح تمام ارواح بشریہ اور ملائکہ سے افضل ہوتی ہے چنانچہ اشارہ کیا گیا۔ اور محمد بن مسلم سے مروی ہے۔ قال سئلت ابا جعفرؑ عن قول اللہ عز وجل "وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ" قال رُوْحٌ اِخْتَارَہُ اللّٰہُ وَاصْطَفَاہُ وَخَلَقَہٗ وَاَضَافَہٗ اِلٰی نَفْسِہٖ وَفَضَّلَہٗ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَرْوَاحِ فَاَمَرَ فَنُفِخَ فِیْ اٰدَمَؑ۔ یعنی محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے جناب باقر العلوم علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ونفخت فیہ من روحی" (یعنی اپنی روح آدم میں پھونکی) کا کیا مطلب ہے؟ آپؑ نے فرمایا۔ یہ ایک خاص روح ہے۔ جس کو اللہ نے پسند کیا۔ اور برگزیدہ کیا۔ پیدا کیا اور اپنی طرف منسوب فرمایا۔ اور اس کو تمام ارواح سے افضل بنایا۔ پس حکم دیا۔ پس اس میں سے آدم میں پھونکی گئی۔ ایضاً بطریق دیگر "فَلَمَّا اَرَادَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْ یَّنْفُخَ فِیْہِ الرُّوْحَ خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالٰی رُوْحَ اٰدَمَ لَیْسَتْ کَالْاَرْوَاحِ وَھِیَ تَعُمُّ فَضَّلَھَا اللّٰہُ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَرْوَاحِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَغَیْرِھَا فَذَالِکَ قَوْلُ اللّٰہِ تَعَالٰی فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ"۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ میں روح پھونکنے کا ارادہ کیا۔ تو روح آدمؑ کو خلق فرمایا جو مثل دیگر ارواح کے نہیں ہے۔ وہ ایک روح ہے۔ جس کو اللہ نے ملائکہ وغیرہ سب کی ارواح سے افضل بنایا ہے۔ پس یہی روح مراد ہے قول باری تعالیٰ "ونفخت فیہ من روحی" (اس میں میں اپنی روح پھونک دوں) میں۔ ماحصل ان احادیث کا یہی ہے کہ انبیاء کی روح خاص روح ہے۔ اور حضرت آدمؑ میں جو روح پھونکی گئی جس کا اس آیت مذکورہ میں ذکر ہے وہی روح قدس ہے جس کے عطا ہوتے ہی عالم ہو گئے۔ اور مسجود ملائکہ قرار پائے۔ اور یہ روح تمام ارواح ملائکہ و غیر ملائکہ سے افضل ہے۔ اب ہم بعض احادیث اور نقل کرتے ہیں جن سے اس روح کے کمالات

روح قدس کے کمالات فعلیہ

بالفعل معلوم ہو سکیں کہ حضرت آدمؑ میں اس روح کے داخل ہوتے ہی کیا کیا امور غریبہ ظاہر ہوئے۔ اسی حدیث مذکورۃ الصدر کے آخر میں ہے فَلَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحَ اٰدَمَ اَمَرَ بِغَمْسِھَا فِیْ جَمِیْعِ الْاَنْوَارِ ثُمَّ اَمَرَھَا اَنْ تَدْخُلَ فِیْ جَسَدِ اٰدَمَ بِالتَّاَنِّیْ دُوْنَ الْاِسْتِعْجَالِ فَرَاَتْ مَدْخَلًا ضَیِّقًا فَقَالَتْ رَبِّ کَیْفَ اَدْخُلُ مِنْ فَضَاءٍ اِلَی الضِّیْقِ فَنُوْدِیَتْ اَنِ ادْخُلِیْ کُرْھًا فَدَخَلَتِ الرُّوْحُ مِنْ یَافُوْخِہٖ اِلٰی عَیْنَیْہِ فَفَتَحَھُمَا اٰدَمُ فَجَعَلَ یَنْظُرُ اِلٰی بَدَنِہٖ وَلَا یَقْدِرُ عَلَی الْکَلَامِ وَنَظَرَ اِلٰی سُرَادِقِ الْعَرْشِ مَکْتُوْبٌ

عَلَیْہِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ فَصَارَتِ الرُّوْحُ اِلٰی اُذُنَیْہِ وَجَعَلَ یَسْمَعُ تَسْبِیْحَ الْمَلٰئِکَۃِ
وَجَعَلَ تَدُوْرُ فِیْ رَاسِہٖ وَدِمَاغِہٖ وَالْمَلٰئِکَۃُ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْہِ (اِلٰی اَنْ قَالَ) ثُمَّ سَارَتِ الرُّوْحُ
اِلَی الْخَیَاشِیْمِ فَعَطَسَ فَفَتَحَتِ الْعَطْسَۃُ الْمَجَارِیَ الْمُسَدَّدَۃَ وَسَارَتْ اِلَی اللِّسَانِ فَقَالَ
اٰدَمُ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ" فَہِیَ اَوَّلُ کَلِمَۃٍ قَالَہَا الخ۔ ترجمہ۔ جب اللہ تعالٰی نے روح آدمؑ کو
خلق کیا۔ تو حکم ہوا کہ دریائے انوار الٰہیہ میں اس کو غوطہ دیا جائے۔ پھر اس کو حکم ہوا۔ کہ آہستہ آہستہ جسم آدمؑ میں
داخل ہو۔ اور جلدی نہ کرے۔ جب اس نے راستہ تنگ پایا۔ تو بارگاہ رب العزت میں عرض کی۔ کہ پروردگار
میں کھلے میدان سے اس تنگ قید خانے میں کس طرح داخل ہو جاؤں۔ ندا آئی۔ کہ کرہاً بکرہٖ کے ساتھ داخل
ہو۔ پس حضرتؑ کے تالو سے داخل ہوئی۔ اور آنکھوں تک پہنچی۔ تب حضرت آدمؑ نے آنکھیں کھول دیں۔
اور اپنے بدن کی طرف دیکھنے لگے۔ مگر بات کرنے کی قدرت نہ تھی۔ پھر سرادق عرش پر نظر کی۔ تو لا الٰہ الا اللہ
محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور پڑھا۔ پھر روح کانوں تک پہنچ گئی۔ تو حضرت تسبیح ملائکہ سننے لگے۔ اور انکو
دیکھنے لگے۔ اور روح سر و دماغ میں چکر لگانے لگی۔ اور ملائکہ آپ کو دیکھ رہے تھے۔ کہ روح ناک تک
پہنچ گئی۔ اور چھینک آئی۔ پس چھینک سے تمام بند مجاری و مسامات کھل گئے۔ اور روح زبان تک پہنچ
گئی۔ اُس وقت آپ نے فرمایا۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَمْ یَزَلْ"۔ تمام محامد اُسی اللہ کے لئے سزاوار ہیں۔
جو ازلی و ابدی ہے۔ اور یہ پہلا کلمہ ہے۔ جو حضرت آدمؑ کی زبان مبارک سے نکلا تھا۔ الخ۔" پھر اسی کے
ذیل میں مذکور ہے۔ "فَاَخَذَ اٰدَمُ فِیْ خُطْبَتِہٖ فَبَدَءَ یَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ فَصَارَ ذَالِکَ سُنَّۃً
لِاَوْلَادِہٖ وَاَثْنٰی عَلَی اللّٰہِ بِمَا ہُوَ اَہْلُہٗ ثُمَّ ذَکَرَ عِلْمَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ وَمَا بَیْنَہُمَا مِنْ
خَلْقِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ فَعِنْدَ ذَالِکَ قَالَ اللّٰہُ لِلْمَلٰئِکَۃِ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ہٰؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ
فَشَہِدَتِ الْمَلٰئِکَۃُ عَلٰی اَنْفُسِہَا وَاَقَرَّتْ وَقَالَتْ سُبْحَانَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا
اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ قَالَ (اللّٰہُ) یَا اٰدَمُ اَنْبِئْہُمْ بِاَسْمَآئِہِمْ فَجَعَلَ اٰدَمُ یُخْبِرُہُمْ
بِاَسْمَآءِ کُلِّ شَیْءٍ خَفِیِّہَا وَظَاہِرِہَا بَرِّہَا وَبَحْرِہَا حَتَّی الذَّرَّۃِ وَالْبَعُوْضَۃِ فَتَعَجَّبَتِ الْمَلٰئِکَۃُ
مِنْ ذَالِکَ"۔ یعنی جب روح حضرت آدمؑ کی زبان مبارک تک پہنچی۔ تو آپ نے از خطبہ شروع کیا اور الحمد
للہ سے ابتدا کی۔ پس یہ بات اُن کی اولاد کے لئے سنت قرار پائی۔ اور آپ نے خدا کی وہ ثنا کی جو اس کے لئے
شایاں ہے۔ پھر آپ نے زمین و آسمان کا علم اور جو کچھ ان میں مخلوقات موجود ہیں۔ انکو بیان فرمایا۔ تب
اللہ جل شانہ نے ملائکہ سے کہا۔ کہ (جن چیزوں کا آدمؑ نے ذکر کیا ہے) ان کے نام بتاؤ۔ اگر تم سچے
ہو۔ کہ (تم آدمؑ سے زیادہ عالم اور افضل ہو) تمام ملائکہ نے اپنے نفس پر گواہی دی۔ اور اپنے عجز و

قصور و کم علمی کا اقرار کیا۔ اور کہا۔ تو پاک و پاکیزہ ہے۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ ہم ان چیزوں کے عالم نہیں۔ ہم کو تو وہی آتا ہے جو تو نے سکھایا ہے (اور اس کو تو جانتا ہی ہے)۔ تب خدا نے آدم سے کہا۔ کہ تم ان کو ان چیزوں کے نام بتلاؤ۔ اور ان کو تعلیم دو۔ حضرت ؑ نے ہر ایک چیز کا نام بتلانا شروع کیا۔ اور ہر ایک ظاہر و پوشیدہ اور خشک و تر کی چیز کو بیان فرما دیا۔ یہاں تک کہ مکھی اور مچھر تک چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں کے اسماء بتلائے۔ تب ملائکہ یہ سن کر بہت متعجب ہوئے"۔ ایضاً عن ابی بصیر عن الصادق ؑ

قَالَ لَمَّا تَزَوَّجَ اٰدَمُ بِحَوَّاءَ اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَيْهِ يَا اٰدَمُ اُذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ جَعَلْتُكَ بَدِيْعَ فِطْرَتِيْ وَسَوَّيْتُكَ بَشَرًا عَلٰى مَشِيَّتِيْ وَنَفَخْتُ فِيْكَ مِنْ رُوْحِيْ وَاَسْجَدْتُ لَكَ مَلٰئِكَتِيْ وَجَعَلْتُكَ عَلٰى اَكْتَافِهِمْ وَجَعَلْتُكَ خَطِيْبَهُمْ وَاَطْلَقْتُ لِسَانَكَ بِجَمِيْعِ اللُّغَاتِ وَجَعَلْتُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ شَرَفًا لَكَ "۔

یعنی جب حضرت آدم ؑ نے حضرت حوا ؑ سے عقد کر لیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم ؑ کو وحی کی۔ اے آدم ؑ تم میری نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی ہیں۔ میں نے تم کو عجیب و غریب خلقت میں خلق کیا۔ اور حسب موافق مشیت میں نے تم کو انسان سالم و معتدل بنایا۔ اور اپنی روح تم کو عطا کی۔ اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ اور تم کو درجۂ اعلیٰ عطا کیا۔ اور ملائکہ کا خطیب بنایا۔ اور تمام زبانوں میں تمہیں گویا کیا۔ اور تمام لغت سکھائے۔ اور یہ تمام باتیں تمہارے ہی لئے شرف و کرامت قرار دیں"۔ ان احادیث سے حسب ذیل جدید نتائج مرتب ہوئے۔ اوّل یہ کہ یہ روح قدس حضرت آدم ؑ کے جس عضو میں داخل ہوئی۔ اس کی قوتیں و استعدادیں سب فعلیت محضہ بن گئیں۔ دوم حضرت آدم ؑ نے اس وقت کلمہ طیبہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" عرش پر لکھا ہوا پڑھا۔ جبکہ صرف ایک ہی عضو میں یہ روح داخل ہوئی تھی۔ اور باقی تمام اعضاء کامل نہ ہوئے تھے۔ سوم یہ روح بسبب شدت نورانیت و کمال تصرف و تاثیر اپنے مادۂ نورانیہ سے متعلق ہونے کے بعد تحصیل کمالات میں کسب و اکتساب و احتیاج کی محتاج نہیں رہی۔ فوراً جسم میں داخل ہوتے ہی قوتیں فعلیت میں آگئیں۔ چہارم اس روح کے داخل ہوتے ہی حضرت آدم ؑ تمام مخلوقات ارضی و سماوی جملہ حرف و صنائع۔ آلات و اسباب۔ ادوات اور حروف و معانی بلکہ ماکان و ما یکون کے عالم ہو گئے۔ اور تمام مصطلحہ و غیر مصطلحہ زبانیں جو بن چکی ہیں اور بننگی ان کا جان لینا اور ان میں کلام کرنا اسی روح کا اثر تھا۔ انہی اثرات روح قدس سے نبی کی نبوت پہچانی جاتی ہے۔ پنجم یہ کہ اسی روح کی وجہ سے حضرت آدم ؑ جملہ ملائکہ سے افضل ٹھہرے۔ ششم اسی روح کی وجہ سے معلم و استادِ ملائکہ بنے۔ اور تمام ملائکہ پر وجہ فضیلت علم ہے۔

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ "خدا اُن ہی لوگوں کے درجات بلند کرتا
ہے۔ جو ایمان رکھتے ہیں۔ اور اُن کو علم عطا کیا گیا ہے۔ ملائکہ جو عالم بالفعل اور معصوم ہیں کسی جاہل کو فضیلت
نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ آئندہ کچھ ہی ہونے والا ہو۔ اُن سے افضل وہی ہو سکتا ہے۔ جو معصوم ہو۔ اور
اُن سے زیادہ عالم۔ علم ہی عین کمال و اصل کمال ہے۔ اور ثبوت نہیں ہے مگر علم سے "هل
يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون" +

یقیناً انبیاء بوجہ فضیلت علمی تمام ملائکہ سے افضل ہوتے ہیں۔ چنانچہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے
بھی اعتقادیہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اعتقادنا فی الانبیاء والرسل والحجج انهم افضل
من الملئكة وقول الملئكة منه عز وجل لما قال لهم انى جاعل فى الارض خليفة قالوا اتجعل
فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك قال انى
اعلم ما لا تعلمون هو لتمنى فيها بمنزلة آدم ولم يتمنوا الا منزلة فوق منزلتهم والعلم
يوجب الفضيلة قال الله تعالى وعلم آدم الاسماء كلها ثم عرضهم على الملئكة فقال
انبئونى باسماء هولاء ان كنتم صادقين۔ قالوا سبحانك لا علم لنا الا ما علمتنا انك
انت العزيز الحكيم۔ قال يا آدم انبئهم باسمائهم فلما انبأهم باسمائهم قال الم اقل لكم
انى اعلم غيب السموات والارض واعلم ما تبدون وما كنتم تكتمون۔ فهذا كله
يوجب تفضيل آدم على الملئكة وهو نبى لهم لقول الله عز وجل انبئهم باسمائهم
ومما يثبت تفضيل آدم على الملئكة امر الله الملئكة بالسجود لآدم لقوله تعالى فسجد
الملئكة كلهم اجمعون ولم يامر الله عز وجل بالسجود الا لمن هو افضل منهم وكان
سجودهم لله عز وجل عبودية وطاعة لآدم واكراما لما اودع الله فى صلبه من
النبى والائمة۔ یعنی شیخ صدوق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ کہ انبیاءؑ و رسلؑ و ائمہؑ اور ملائکہؑ کے باب میں
ہمارا اعتقاد یہ ہے۔ کہ انبیاءؑ و رسلؑ و ائمہؑ ملائکہؑ سے افضل ہیں۔ اور جس وقت خداوند
عالم نے ملائکہ کو یہ خبر دی۔ کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو اُن کا یہ کہنا۔ کہ کیا ایسے شخص کو
خلیفہ بنائے گا۔ جو زمین میں فساد و خونریزی کرے گا۔ حالانکہ ہم تیری تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ دلالت کرتا ہے
کہ انہوں نے اپنے لئے اُس درجے کی تمنا کی۔ جو حضرت آدمؑ کو دیا گیا تھا۔ اور نہیں تمنا کی انہوں نے
مگر اُس درجے اور منزلت کی۔ جو اُن سے فوق تھا۔ اور انہیں حاصل نہیں تھا۔ اور
علم ہی موجب فضیلت ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ کہ اُس نے آدمؑ کو تمام اسماء سکھائے

پھر اُن کو ملائکہ پر پیش کیا اور کہا کہ مجھے ان کے نام بتلاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ (تم آدمؑ سے
افضل ہو اور مستحق خلافت) سب نے کہا کہ ہم کو علم نہیں ہم تو وہی جانتے ہیں جو تو نے سکھایا ہے اور
بیشک تو ہی صاحب عزت اور صاحب حکمت ہے۔ تب اللہ نے آدمؑ سے کہا کہ تم ان کو ان چیزوں کے
نام بتلاؤ۔ تو آدم نے اُن کو سب کے نام سکھا دیئے۔ اس وقت خداوند عالم نے فرمایا "کیا میں نے
تم سے نہیں کہا تھا کہ میں زمین و آسمانوں کے غیب کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے
ہو۔ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ یہ سب باتیں دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدمؑ ملائکہ سے افضلیت رکھتے
تھے۔ اور یہ کہ آدمؑ ان کے نبی تھے۔ جیسا کہ خدا کے قول "انبئھم باسمائھم" سے ظاہر ہے اور
منجملہ ان باتوں کے جن سے حضرت آدمؑ کی ملائکہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ اللہ نے ملائکہ کو ان کے
لیے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ سب کے سب فرشتوں نے اُن کو سجدہ کیا اور نہیں حکم دیا
خدا نے سجدہ کا مگر اس کے لئے جو اُن سے افضل ہے اور اُن کا آدمؑ کو سجدہ کرنا خدا کی عبودیت و فرمانبرداری
ہے۔ کہ اس کا حکم بجا لائے اور آدمؑ کی اطاعت اور اُس نور چہاردہ معصومینؑ کا اکرام جو صلب آدمؑ میں
تھا اور پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میں افضل ہوں جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ اور تمام ملائکہ مقربین سے اور
میں بہترین مخلوقات ہوں کوئی وجود مجھ سے افضل نہیں اور میں ہی سردار بنی آدم ہوں۔ انتہیٰ
یہاں سے اس کی بھی تشریح ہو گئی کہ معیار خلافت کمال علم ہے نہ اجماع و شوریٰ و غلبہ۔ ھل
یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔ اور جو چالیس چالیس سال جاہل رہے ہوں وہ کب عالم
علم لدنی کے برابر ہو سکتے ہیں +
اور نیز فرمایا جناب صدوق علیہ السلام نے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ انبیاء رسل ائمہؑ اور ملائکہ سب کے سب معصوم
و پاک و پاکیزہ ہوتے ہیں اور وہ کسی حال میں کوئی چھوٹا بڑا گناہ نہیں کرتے اور خدا کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں
کرتے اور وہی کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے جو کسی وقت میں بھی اُن سے عصمت کی نفی کرے وہ اُن سے
جاہل ہے۔ اور جو اُن سے جاہل ہے اُن کو نہیں پہچانتا وہ کافر ہے۔ وہ معصوم ہوتے ہیں اور ہر ایک کمال و فضیلت
اور علم سے متصف ہوتے ہیں ابتداء عمر سے آخر عمر تک اور کسی وقت میں بھی کسی نقص و عیب و عصیان و جہالت سے
متصف نہیں ہوتے +
پس شیخ صدوقؒ علیہ الرحمۃ کے اعتقاد میں انبیاء و ائمہؑ جملہ فرشتوں سے افضل ہیں اور وجہ
فضیلت علم ہی ہے۔ یہ کسی حال میں جہل و نقص و عیب سے آلودہ نہیں ہوتے۔ حضرت آدمؑ
سب ملائکہ جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ وغیرہم سے افضل تھے اور انکے معلم و استاد

اُن پر بنی تھے۔ اور اِن کو اسیواسطے سجدہ کا حکم ہوا تھا کہ وہ ملائکہ سے افضل اور اُنسے اعلم تر تھے تاہم اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کمالات فعلیہ جو حضرت آدمؑ سے روح قدس کے داخل ہوتے ہی ظاہر ہوئے صرف حضرت آدمؑ ہی سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ تمام انبیاءؑ کا یہی حال ہے کہ وقت ولادت ہی سے اُن سے ایسی باتیں ظاہر ہوتی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان کی خلقت و سرشت عام انسانوں سے علیحدہ ہے اور یہ قسم کے بندے ہیں +

مزید اطمینان کے لئے ملاحظہ ہوں حالات ولادت باسعادت جناب خلیل اللہ و شجرۃ الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ کس طرح نطفہ قائم ہوا اور کس طرح حمل پوشیدہ رہا۔ اور کس طرح اور کہاں ولادت ہوئی۔ اور کیسے پرورش پائی۔ ایک مدت تک غار میں رہے۔ غذا اُن کی صرف انکی چھوٹی انگلی میں تھی اُسی کو چوس کر سیر ہو جاتے تھے۔ کبھی شاذونادر انکی والدہ موقع پاکر دودھ پلا آتی تھیں اور اس حالت میں آپ ہر روز اتنے بڑھتے تھے کہ اور بچے ایک ہفتہ میں اور ایک ہفتہ میں اتنے کہ اور بچے ایک ماہ میں اور ایک ماہ میں اتنے کہ اور بچے ایک سال میں بڑھتے ہیں۔ اور اس طرح کچھ مہینوں میں ہی جوان ہو گئے۔ اور کیا کفار و مشرکین کے ساتھ جو کچھ کہ کیا۔ اور اُن کے حالات عجیبہ میں جناب رسولِ خدا سے منقول ہے۔ کہ جس وقت قریب غروب آفتاب نزدیک تھا حضرت آپ شکم مادر سے باہر تشریف لائے فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنے سر اور منہ پر ہاتھ پھیرا اور تکبیر کہہ کر فرمایا "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" اور ایک کپڑا اُٹھا کر کندھے پر ڈال لیا۔ اُن کی والدہ یہ حالات دیکھ کر ڈریں اور حضرت اپنی والدہ کے آگے آگے چلنے لگے۔ اور آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے تھے اور پھر اُس وقت حضرت نے ستاروں کے افول و غروب سے اُن کے حدوث پر استدلال کیا اور فرمایا کہ یہ ہرگز پروردگار اور قابل پرستش نہیں ہیں اور میں برأت چاہتا ہوں اللہ کی طرف ان باتوں سے جنکو یہ مشرکین بُت پرست شریک کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے "وانا بری مما تشرکون" +

پھر ملاحظہ ہوں حالاتِ ولادتِ باکرامتِ جناب کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام اور انکے نطفہ کا قائم ہونا اور حمل کا شکم مادر میں ظاہر نہ ہونا۔ وقت ولادت آپ سے ایک نور کا ساطع ہونا اور قابلہ کا ڈر جانا اور اُس کے دل میں محبت پیدا ہونا۔ پیدا ہوتے ہی تکلم فرمانا اور والدہ کو تسلی دینا تین روز دریا میں رہنا اور بروایتے ستر روز بے غذا اپنی مادر گرامی سے جدا رہ کر زندہ و سلامت رہنا۔ چنانچہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرعون نے زن و شوہر میں جدائی کر دی تھی اور جو حاملہ عورتیں تھیں اُن پر دائیاں مقرر کر دی تھیں اور جو بچہ پیدا ہوتا تھا اُس کو قتل کرا

دیا تھا بلکہ یہاں تک لکھا ہے کہ عورتوں کے شکم چاک کرا کر بچے نکلوا تا تھا۔ اور مار دیتا تھا۔ پس جب حضرت موسیٰؑ پیدا ہوئے تو اُن کی والدہ ڈریں کہ یہ مارا جائیگا آپ شکمِ مادر سے باہر آتے ہی فوراً بولنے لگے اور اپنی مادرِ گرامی سے کہا کہ مجھ کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈالدو۔ مادرِ موسیٰؑ اس عجیب حالت کو دیکھکر ڈریں اور اسی حیرانی میں تھیں کہ پھر دوبارہ حضرت موسیٰؑ نے یہی فرمایا۔ تب اُنھوں نے صندوق میں رکھکر دریا میں ڈالدیا اور حضرتؑ چند روز اسی حال میں دریا میں رہے تا اینکہ اپنی والدہ تک پہنچے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ستر روز کے بعد اپنی والدہ کے پاس واپس ہوئے ہیں۔ حضرت کی غیبت کی بابت روایات کم سے کم تین روز کی بھی ہیں کہ حضرتؑ اپنی والدہ سے صرف تین روز جدا رہے تاہم ایسے بچے کا تین دن مادر سے جُدا رہنا اور کچھ نہ کھانا اور دریا میں پڑا رہنا کیا کچھ کم عجائبات سے ہے۔ مور حضرت کے دریا میں تیرتے رہنے اور سوائے اپنی مادرِ گرامی کسی کا دودھ نہ پینے اور مدت کے بعد اپنی والدہ کے پاس واپس آنے اور دودھ پینے کا حال قرآن میں مفصّل مذکور ہے ملاحظہ ہو سورہ طٰہٰ وغیرہا (حیات القلوب مجلسی مجم بحار) اس سے زیادہ مصرح اور مفصل ملاحظہ فرمائیے حالات حضرت عیسےٰؑ۔ بعد اُسی آیت کے جس کا ذکر پیشتر بیان خلقت امری انبیاء میں آچکا ہے سورۂ مریم میں خداوند عالم فرماتا ہے: فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا ۝ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۔ ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۔ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحَانَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۔ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۔

ترجمہ۔ پس جنابِ مریمؑ حضرت عیسےٰؑ سے حاملہ ہوئیں اور اُن کو لیکر دور ایک طرف کو چلی گئیں۔ درد زہ سے مجبور ہو کر ایک کھجور کے نیچے آئیں اور کہا کاش میں اس سے پہلے ہی مرجاتی اور بالکل گم نام ہوجاتی۔ یہ سنکر اُن کے نیچے سے حضرت عیسےٰؑ نے ندا دی محزون و غمگین نہ ہو تمہارے نیچے تمہارے پروردگار نے ایک چشمہ بنا دیا ہے

اور تم اپنی طرف کھجور کو جھکا لو وہ تازہ کھجوریں تم پر گرائیگی۔ پس کھاؤ اور پیو اور اپنی آنکھوں کو (دیدار فرزند سے) ٹھنڈا کرو کہ قرۃ العین پیدا ہوا) پس اگر تم کسی آدمی سے ملو تو اُس سے کہدو کہ میں نے روزہ نذر کیا ہے۔ میں خاموش رہوں گی اور کسی انسان سے کلام نہ کرونگی۔ پس جناب مریمؑ حضرت عیسےؑ کو اُٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔ انہوں نے دیکھکر کہا اے مریمؑ تونے بہت بُرا کام کیا ہے۔ اے اخت ہارون نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ (تونے یہ کیا کام کیا کہ بلا شوہر بچہ جن لائیں) یہ سُنکر جناب مریمؑ نے حضرت عیسےؑ کی طرف اشارہ کیا کہ اس سے پوچھو تاکہ جواب دے۔ اُنہوں نے کہا ہم ایسے بچے سے کس طرح کلام کریں جو ابھی گہوارے ہی میں ہے۔ یہ سُنکر حضرت عیسیٰؑ فوراً بولے "میں بندۂ خدا ہوں۔ اُس نے مجھ کو کتاب دی ہے۔ اور مجھ کو نبی بنایا ہے۔ اور مجھے بابرکت قرار دیا ہے جس حال میں بھی میں ہوں بچہ ہوں خواہ جوان خواہ بوڑھا۔ ہمیشہ رحمت و برکتِ خدا شامل حال ہے۔ اور مجھ کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جبتک کہ میں زندہ ہوں اور مجھ کو اپنی والدہ کے ساتھ نیکی کرنیوالا بنایا ہے۔ اور مجھے جبّار و شقی نہیں بنایا۔ اور سلامتی خدا ہے مجھ پر ہمیشہ جس دن کہ میں پیدا ہوا اور جس دن مرونگا اور جس دن پھر زندہ اُٹھایا جاؤنگا۔ یہ ہے عیسیٰؑ بن مریمؑ (جس کا یہ حال تھا اور جس کی یہ صفات و کمالات ہیں نہ ایسا جیسا کہ نصاریٰ بتلاتے ہیں کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اور نہ وہ جو یہودی کہتے ہیں۔ کہ معاذ اللہ وہ حرامزادہ ہے) یہ بالکل سچا قصہ ہے اس میں ذرا شک نہیں۔ جس کی بابت لوگ جھگڑتے اور شک و شبہ کرتے ہیں۔ خدا کے لئے سزاوار نہیں ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ (کیونکہ کسی کو بیٹا وہ ہی بناتا ہے جس میں توالد و تناسل کی قابلیت ہوتی ہے۔ اور خدا اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔ اُس کی قدرت یہ ہے کہ جب کسی چیز کی بابت قضاء الٰہی جاری ہو جاتی ہے تو اُس کو کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ ہو جاتی ہے۔ (پس کسی بچے کے خلق کرنے میں اس کا محتاج نہیں کہ شوہر و بی بی کا تعلق ہو اور ہم صحبت ہوں جب ہی بچہ پیدا ہو۔ بلکہ عالم امری کی مخلوقات کے لئے صرف اُس کے ارادہ متعلق ہونے کی ضرورت ہے ارادہ ہوا اور وہ چیز ہوگئی) ۔ اور بتحقیق کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اُسی کی عبادت کردیں سیدھا اور سچا راستہ ہے۔ انتہیٰ +

اس آیہ مبارکہ سے جناب مریمؑ کی عصمت و عفت۔ حضرت عیسےؑ کی تنزیہ و برائت۔ یہود و نصاریٰ کی رد و حضرت عیسیٰؑ کی خلقت عالم امری (جس کا ذکر پہلے بھی آیا ہے) وغیرہ کے علاوہ حضرت کی روح قدس کے چند اثرات و عجیب و غریب کمالات فعلیہ ثابت ہوتے ہیں۔ جو قابلِ غور و تامل ہیں۔ اوّل یہ کہ حضرت نے شکم مادر سے باہر تشریف لاتے ہی یا اُسی حالت میں جیسا کہ "نادیھا من تحتہا" سے ظاہر ہے۔) اپنی والدہ ماجدہ سے کلام کیا اُن کو تسلی دی اور نصیحتیں کیں کہ تمہارے نیچے نہر ہے اُس کا پانی پیو اور درخت کو ہلا کر

کھجوریں کھاؤ۔ اور کوئی ملے تو اُس سے تم کلام نہ کرو۔ اور کہدو کہ میں نے سکوت وصوم کی نذر کی ہے اور جو کچھ یہ لوگ پوچھیں میری طرف اشارہ کر دو تاکہ میں خود اُن کو جواب دوں چنانچہ حضرت مریمؑ نے ایسا ہی کیا۔ اور بنی اسرائیل کا جواب خود حضرت عیسیٰؑ نے دیا۔ دوم آپ نے "اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ" (میں بندۂ خدا ہوں) میں چند اعتراض رفع کئے۔ اور یہ ظاہر کیا ہے کہ نہ تو میں معاذ اللہ بندۂ غیر خدا ہوں۔ نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کا جزو ہوں۔ اور نہ خدا نے مجھ میں حلول کیا ہے اور اُترا ہے۔ یعنی نبی نہ خدا ہوتا ہے نہ خدا کا جزو اور نہ خدا کا بیٹا اور نہ خدا کا اوتار۔ بلکہ ایک بندۂ برگزیدہ۔ سوم "آتانی الکتاب" سے ظاہر فرمایا کہ میں عالم ہوں اور علم مجھ کو دیا گیا ہے۔ کیونکہ کتاب سے مراد کتاب وجودی بمعنی علم ہے جو کہ اُن کے وجود کے ساتھ عطا ہوا۔ نہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ شکم مادر سے ایک کتاب ساتھ لائے تھے۔ کتاب نزولی شرعی یعنی انجیل حضرت پر بروایتے سات سال اور بروایتے تیئیس سال اور ایک روایت کے موافق تیس سال بعد نازل ہوئی۔ یقیناً اس کتاب سے کتاب وجودی یعنی علم ذاتی مراد ہے جو اُن کی ذات کے ساتھ عطا ہوا اور "اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ" کے بعد بلا فاصلہ واو عطف "آتانی الکتاب" فرما کر ظاہر کر دیا ہے کہ کتاب کا دیا جانا اور مجھ کو خلعت وجود عطا ہونا ساتھ ہی ساتھ ہے۔ نہ بعد خلق و ایجاد۔ چہارم بعد "آتانی الکتاب وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا" (مجھ کو نبی بنایا ہے) واو عطف کے فاصلہ سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اوّل علم عطا کر کے عالم بنا کر نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ یقیناً یہی حق و صدق ہے۔ جاہل نبی نہیں بنایا جاتا۔ اور اس میں دلالت ہے اس امر پر کہ جو روح قدس دی گئی ہے وہ روح نورانی علمی ایک حقیقت نوریہ ہے۔ پنجم: "وجعلنی مبارکا این ما کنت" (مجھے بابرکت قرار دیا ہے جس حال میں بھی میں ہوں) میں اس بات کی بالتصریح نفی کی گئی ہے کہ نبی قبل اظہار نبوت جاہل ہوتا ہے۔ یا معاذ اللہ کافر ہوتا ہے۔ یا معصوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ بچپن سے آخر عمر تک برکت و رحمت خاصۂ خدا شامل حال ہے ابتداء سے آخر تک کسی قسم کے نقص و عیب و جہالت و عصیان کی نجاست سے آلودہ نہیں ہو سکتا۔ معصوم و عالم ہوتا ہے جیسا کہ اعتقاد صدوق علیہ الرحمۃ عرض کیا گیا۔ مبارکیت ظاہری کا ثبوت بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے کہ آپ کی برکت سے خشک کھجور سرسبز و میوہ دار ہو گئی اور حضرت مریمؑ نے اس سے چھوارے کھائے وغیر ذالک۔ جو لوگ نبی کو قبل اظہار نبوت جاہل یا کافر یا عاصی جانتے ہیں۔ وہ نبی کی معرفت سے قطعاً جاہل ہیں "النبی نبی و لو کان صبیا" شخص عاقل کے لئے یہی آیہ معرفت نبوت و اثبات مقام علم نبوت میں کافی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے پیدا ہوتے ہی اوّل مقام عبودیت خود و وحدانیت

حق تعالیٰ کو بیان فرمایا ہے۔ اور عبودیت کاملہ بلا معرفت خالق حاصل نہیں ہو سکتی اور معرفت خالق اول حدود ایمان ہے اور لابد حضرت عیسیٰؑ اس وقت حدود ایمان کی معرفت کاملہ رکھتے تھے اور اس کو ظاہر فرمایا بعد ازاں عطا کتاب کا ذکر کیا ہے کہ وجود کے ساتھ کتاب عطا کی گئی ہے اور جعل نبوت بعد عطائے کتاب ہے کہ اول کتاب دی پھر نبی بنایا کیونکہ نبی جاہل غیر معقول ہے پس نبوت فرع ہے کتاب و علم پر۔ بلاشک ولاریب حضرت عیسیٰؑ اس وقت رسول نہ تھے اور انجیل مدت کے بعد نازل ہوئی لہذا یہ کتاب کتاب وجودی ہی ہے۔ اور یہ مقام تعلیم مطلق نبوت اور یہ تعلیم نہیں ہے مگر روح قدس نبوتی کا عطا ہونا جو روح نورانی علمی ہے اور در اصل وہی نبی ہے۔ اور چونکہ اس کتاب سے مراد کتاب وجودی علمی ہے اسیواسطے ہر ایک نبی کی طرف اس کی نسبت دیگئی ہے۔ یعنی ہر ایک نبی کو یہ کتاب وجودی عطا ہوئی ہے۔ کچھ حضرت عیسیٰؑ ہی سے

تمام انبیاءؑ کی کتاب وجودی

مخصوص نہیں تاکہ حضرات قشریین شبہ کریں کہ یہ عطیہ خاص ہے حضرت عیسیٰؑ کے واسطے جو آیۃ اللہ و روح اللہ ہیں چنانچہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ" (بقرہ ع ۲۶) تمام انسان امت واحدہ تھے پس اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا جو مخالفات الٰہی کی خوشخبری دیتے تھے اور اس کے عذاب و عقاب سے ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی تاکہ وہ حکم کرے لوگوں کے درمیان ان چیزوں میں جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں "لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ الخ" (حدید ع ۴) البتہ ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات و شواہد بینہ کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب و میزان (ترازو) اتاری ہے تاکہ لوگ عدل و انصاف کو قائم رکھیں اور جادۂ اعتدال سے تخطی نہ کریں۔ ان آیات مبارکہ سے ثابت ہے کہ نہ صرف مرسلین بلکہ جملہ نبیین کو کتاب دیگئی ہے۔ کتاب تشریعی کل چار کہلاتی ہیں۔ توریت۔ زبور۔ انجیل۔ فرقان اور اگر تمام رسولوں کے لئے ایک ایک صحیفہ فرض کیا جائے تو تعداد تین سو تیرہ سے زائد نہ ہوگی کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ رسول تین سو تیرہ گذرے ہیں۔ اور آیات بتلاتی ہیں کہ کل نبی جو گذرے ہیں سب کو کتاب دیگئی ہے نہ کہ صرف رسولوں کو۔ لہذا اس کتاب سے مراد کتاب مثل توریت و انجیل نہیں ہے۔ علاوہ ازیں آیہ دوم سے یہ بھی ثابت ہے کہ ہر رسول کو ایک میزان (ترازو) بھی اس کے

وجود کے ساتھ ہی عطا کیگئی ہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہر ایک نبی یا رسول جب پیدا ہوتا ہے تو بغل میں ایک کتاب دبا ہاتھ میں ایک ترازو لئے ہوئے آتا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ کتاب وہ کتاب نہیں ہے جو بعد ولادت وقت بعثت و اظہار نبوت بصورت تنزیلی کسی پیغمبر کو دی جاتی ہے بلکہ اس کتاب سے یقیناً کتاب وجودی علمی ہی مراد ہے۔ جس پر لفظ "معہم" صاف دلالت کرتا ہے۔ جو معیت وجود پر شاہد ہے یعنے ہر نبی کو وجود کے ساتھ علم دیا جاتا ہے اور اُسی کو کتاب وجودی سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ علم و کتاب وجودی وہ ہی رُوح قدس کا عطا ہونا ہے جیسا کہ ذکر ہوا کہ حضرت آدمؑ اُس کے عطا ہوتے ہی عالم ہو گئے اور اُسی رُوح سے حضرت عیسیٰؑ نے یہ تکلم فرمایا اور معارف و حقائق و ضروریات دین کو بیان فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ آتانی الکتاب کچھ حضرت عیسیٰؑ سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر نبی کو شامل ہے اور حضرت عیسیٰؑ اپنی ہی نبوت بیان نہیں فرما رہے بلکہ مطلق نبوت کی حقیقت کو ظاہر فرما رہے ہیں اور یہی ایک خاصہ نبوت ہے کہ نبی ماں کے پیٹ سے عالم پیدا ہوتا ہے اور نبی بعد ولادت ہی سے نبی ہوتا ہے "النبی نبی ولو کان صبیاً"۔ اور یہ معجزات بینات و آثار عجیب و غریب جو انبیاء علیہم السلام سے در ولادت و زمانہ طفلی و بعد ازاں ظاہر ہوئے ہیں اور دیگر انسانوں میں نہیں پائے جاتے یہ سب اِس رُوح قدس نبوتی کا اثر خاص ہیں جو خاص انبیاء ہی کو عطا ہوتا ہے۔ یہ ہیں بعض اثرات رُوح قدس بعض انبیاءؑ۔ ہر ایک نبی کے حالات و معجزات ولادت کو لکھا جائے تو ایک کتاب بنجائے۔ خصوصاً حالات ولادت باسعادت جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ صرف چند فقرے متعلق بہ اثرات روح اعظم حضرت خاتم صلعم عرض کئے جاتے ہیں۔ در الجرعۃ تدل علی الغدیر۔ جس دن بوقت طلوع فجر روز جمعہ ملکہ معظمہ میں وہ نور سرمدی بطن جناب آمنہؑ سے طالع ہوا تو ضیاء نور آنجناب بیت المقدس تک پہنچی اور اطراف و اقطار عالم پر اُسکی شعاعیں چمکیں۔ جو بُت جس مقام پر تھا سرنگون ہو گیا۔ ایوان کسریٰ متزلزل ہوا۔ چودہ کنگرے اُس کے گر پڑے۔ دریائے ساوا جس کو مجوسی پوجتے تھے خشک ہو گیا۔ بادشاہوں کے تخت ٹوٹ گئے۔ کاہنوں کی کہانت اور ساحروں کے سحر باطل ہو گئے۔ جس وقت شکم مادر سے زمین پر تشریف لائے فوراً سجدے میں جھک گئے پیشانی مبارک زمین پر رکھی اور انگشت شہادت آسمان کی طرف اُٹھا کر فرمایا "لا الہ الا اللہ"۔ ہاتف غیبی نے ندا دی "جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا" وغیرہ ذلک من المعجزات الباہرات۔ آپ بھی مثل اپنے جد بزرگوار جناب شجرۃ الانبیاء خلیل اللہ علیہ السلام ایک روز میں اتنے بڑھتے تھے جتنا اور بچے ایک ہفتہ میں اور ایک ہفتے میں اتنا جتنا اور بچے ایک ماہ میں اور ایک ماہ میں اتنا جتنا کہ اور بچے ایک سال میں نشو و نما پاتے ہیں۔ اور آپ کی ہر حرکت و سکون اور جملہ افعال و اقوال و اعمال و اخلاق و آداب سے

آثار توحید نمایاں تھے۔ (ملاحظہ ہوں کتب علماء درباب ولادت آنحضرتؐ) یہ آثار نہیں ہیں مگر اُس روح قدس کے جو انبیاء علیہم السلام ہی سے مختص ہوتی ہے اور عوام میں نہیں پائی جاتی +

ہم یقین کرتے ہیں کہ اب ہمارے ناظرین خوب سمجھ گئے ہونگے کہ نبی کی نبوت روح قدس ہی ہے بلکہ اصل نبی وہی روح ہے کیونکہ ذات مقدم و اصل ہے اور عوارض فروعات و توابع چنانچہ انسان در اصل روح انسانی ہے نہ کہ اعضاء و جوارح جسمانیہ و ہیکل مادی خاکی۔ اور چونکہ ظرف کا مطابق مظروف اور محل کا مناسب حال ہونا ضروری ہے۔ اس لئے انبیاءؑ کا مادہ بھی خاص مادہ نورانیہ ہوتا ہے اور اس روح قدس اور مادۂ نورانیہ کے آثار خاصہ و کمالات فعلیہ انبیاء علیہم السلام سے روز ولادت ہی سے ظاہر ہوتے ہیں اور وہ ہی دلالت کرتے ہیں اُنکی نبوت پر اور وہ روح روحِ علمی ہوتی ہے اور اُس کے عطا ہوتے ہی نبی عالم ہوجاتا ہے اور نبی ماں کے پیٹ سے عالم پیدا ہوتا ہے کتاب علمی وجودی اُس کے ساتھ ہوتی ہے اور جو باتیں اُس کے ماتحت انواع میں بالقوۃ ہوتی ہیں وہ اس میں بالفعل ہوتی ہیں مع شئی زائد جو مخصوص نبوت ہے۔ لہٰذا ہم معیارِ نبوت کے نتیجہ کیطرف پھر رجوع کرتے ہیں +

الحاصل نبی اور عام انسانوں میں فصل ممیز و مابہ الافتراق روح قدس ہوتی ہے اور اُس کا اثر خاص وحی مگر یہ رُوح اپنی جملہ ماتحت انواع و اجناس سے قوی تر و کامل تر ہے کیونکہ اُس کو مبدءِ فیاض خالق و صانع عالم سے وہ تعلق خاص و اتصال منزلتی حاصل ہے جو اور کسی کو نصیب نہیں اور اسیواسطے خالق و صانع نے خصوصیت سے اپنی طرف منسوب کیا ہے (من روحی) یہ رُوح ایسی اشد و اقوی و اکمل ہے کہ اس کو بلا اسباب و آلات خارجیہ موجودات ارضی و سماوی کا علم اور ان میں حق تصرف حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے انسان یقیناً ایسا کرنے سے عاجز ہیں۔ اُس کو خدا نے وہ علم و قدرت دی ہے اور ایسی تائید الٰہی اُس کے شامل حال ہے کہ سنگریزوں اور خشک کھجور کے لٹھوں کو گویا کر سکتی ہے۔ اور ایک چوب خشک کو متحرک اژدہا بنا سکتی ہے۔ اور چونکہ اس کو اپنے مبدء سے کمال قرب و منزلت حاصل ہے اس لئے ایک چشم زدن کے واسطے بھی اُس کے ارادے اور مشیت سے تخلّی نہیں کرتی۔ اور اسی واسطے ہر ایک قسم کی خطا و لغزش سے محفوظ و معصوم ہے اس کا ہر ایک کام تحتِ ارادہ و مشیت الٰہی ہوتا ہے اور وہ ہی "وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ" کا مصداق ہے۔ جب تک خدا نہ چاہے وہ کچھ نہیں کرتی۔ اور جو دارائے رُوح قدس ہوتے ہیں اُن ہی کی شان میں آیا ہے "جَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا" وہ صبر سے کام لیتے ہیں اور جبتک حکم خدا نہ ہو کچھ نہیں کرتے۔ اور اسیوجہ سے خدا انبیاءؑ کے فعل کو اپنا فعل کہتا ہے اور اُن کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اُنکی محبت کو اپنی محبت۔ "وَمَنْ يُّطِعِ

الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ" (جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے خدا کی اطاعت کی) "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ" خصوصاً کامل اول و رسول اکمل کے حق میں فرماتا ہے "مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی" نہیں پھینکی خاک جبکہ تو نے پھینکی لیکن اللہ نے پھینکی ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ" جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں اور اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور تو ہی ید عمالہ خدا ہے +

حکماء قائل ہیں اور ان کے نزدیک محقق و مسلّم ہے کہ ہر ایک شے میں خواہ عالم اجسام سے ہو یا عالم نفوس و ارواح و عقول سے ایک قوت برقی ہوتی ہے۔ جو اُس کو حرکت دیتی اور اُس کو درجہ کمال پر پہنچاتی ہے اور وہ ہی مابہ الحیاۃ و قوام وجود ہے۔ اور جس چیز میں وہ قوت برقی جس قدر اشد و اقویٰ ہو گی اُسی قدر آثار فعلیہ و کمالات وجودیہ اُس سے زیادہ ظاہر ہوں گے۔ اور اس واسطے وہ لاانتہا مختلف و متفاوت درجے رکھتی ہے یہاں تک کہ ایک ایسے آخری درجے تک منتہی ہوتی ہے کہ اُس کے اوپر اور کوئی درجہ نہیں وہ درجہ مخلوق اول و مصنوع اوّل اور اول ماصدر کا ہے پس اگر کوئی مخلوق اول ماصدر فرض کیا جائے اور ضرور ہے تو وہ سب سے قوی تر و کامل تر ہو گا اور اُس کی قوت و قدرت فوق جمیع قویٰ موجودات کیونکہ وہ ہی نقطۂ دائرۂ امکان و تکوین ہے اور باقی تمام اُس سے متفرع۔ کلام حمید مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ صرف فرق نام کا ہے۔ وہ قوائے برقیہ کہتے ہیں اور کلام پاک میں اُس کو ملکوت اشیاء کہا گیا ہے (کما مر ذکرہ) ہر موجود میں وہ قوت ملکوتی ہے ارواح میں بھی وہ ہی مابہ الوجود و مابہ القوام ہے (لیکن رُوح اعظم نبوتی نفس ملکوت ہے جیسا کہ آئندہ بیان ہو گا) پس وہ لوگ جو صانع و مؤثر عالم کے قائل ہیں اور خدا کی قدرت کو غیر محدود جانتے ہیں وہ از روئے انصاف ہرگز اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ نبی میں ایک ایسی قوت ملکوتی نورانی ہو جو تمام ماتحت انواع سے قوی تر و کامل تر ہو۔ اور اُس کی سب افراد سے افضل جس کو رُوح قدس کہتے ہیں اور جس کا اثر خاص وحی ہے اور وہ ہی مابہ النبوۃ ہے۔ نفس انسانیہ من حیث ھی ھی ہرگز مابہ النبوۃ نہیں ہو سکتا +

عقلاء جانتے ہیں کہ اصول کمال چار ہیں۔ حیات[1]۔ علم[2]۔ قدرت[3] اور ارادہ[4]۔ پس یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نبی کی رُوح تمام ماتحت انواع سے افضل و اکمل ہوتی ہے حتیٰ کہ ملائکہ مقربین و کروبیین سے بھی۔ تو ضروری ہوا کہ اُس کی حیات تمام موجودات کی حیات سے اشد و اقویٰ ہو گی۔ بلکہ اصل حیات اور علم اُس کا اکمل علوم بلکہ وہ عین علم ہو گی اس لئے کہ وہ نور ہے۔ اور نور کی تعریف ہے "الظاهر بذاته والمظهر لغيره" (یعنی جو خود روشن ہو اور دوسرے کو روشن و آشکار کرنے

والا) اور یہ مساوی ہے علم کے۔ کیونکہ حقیقی علم بھی نور ہی ہے۔ چنانچہ جناب سرّ اللہ فی العالمین
وولی رب العالمین فرماتے ہیں "اَلْعِلْمُ نُوْرٌ یَّقْذِفُہُ اللّٰہُ فِیْ قَلْبِ مَنْ یَّشَاءُ" یعنی علم نور ہے
خدا جس کے دل میں چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے۔ کلام حمید مجید شہادت دیتا ہے کہ روح اعظم
نبوتی (جو مبدأ ارواح و ام الارواح ہے) نور و عین علم ہے۔ "وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا
مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ ۱۲
مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" اور جب اُس کی حیات
اصل حیات اور اُس کا علم حقیقت علم ہے تو لابد اُس کی قدرت بھی ماتحت انواع سے زیادہ ہوگی
اور اُس کو عالمِ کون و فساد میں حق تصرف حاصل۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اگر قادر ذی ارادہ و اختیار نہ
ہو تو قدرت بیکار ہے۔ اور اس لئے اُس کا صاحب ارادہ ہونا بھی ضروری ہے۔ لہذا چاروں
کمال حیات۔ علم۔ قدرت اور ارادہ اُس میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ لیکن چونکہ حیات
و علم لازم و ملزوم ہیں حی غیر عالم متصور و معقول نہیں۔ اور قدرت بلا ارادہ بیکار ہے جیسا کہ
ذکر ہوا۔ لہذا کہہ سکتے ہیں کہ معیارِ نبوت علم و قدرت ہے۔ نبی علم و قدرت میں اپنے ماتحت سے
افضل و اکمل ہوتا ہے۔ اور ہر ایک نبی کا تمام اہلِ زمانہ و مبعوث الیہم سے افضل و اکمل ہونا
ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہرگز مستحق خلافت الٰہیہ نہیں ہو سکتا۔ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حی بالذات
قادر بالذات۔ علیم بالذات۔ حکیم بالذات۔ سمیع بالذات۔ بصیر بالذات۔ اور قدیم ازلی ابدی
سرمدی کا خلیفہ و جانشین جاہل۔ سفیہ۔ ہیچ۔ نا فہم و بے بصیرت ہو۔ ہر صاحب کمال کمال
کو دوست رکھتا ہے نہ کہ نقص و عیب کو۔ عالم علم کو دوست رکھیگا اور حکیم حکمت کو وغیر ذالک
اور معلوم ہے کہ خلقت انبیاء علیہم السلام مقام محبیت ذات واجب الوجود علیم و حکیم و قدیر و سمیع و
بصیر ازلی ابدی سے ہے "کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق" لہذا کس
طرح ممکن ہے کہ ذات مستجمع جمیع صفات کمالیہ جلالیہ و جمالیہ جہل و سفاہت کو دوست رکھے اور انبیاء
کو جاہل و سفیہ (معاذ اللہ) خلق فرمائے۔ انبیاء کو خدا نے اپنے واسطے اور اپنے کمالات کا مظہر و نمونہ
بنایا ہے۔ اور اُن کی ذات آئینہ توحید ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے "وَاصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ" اے
موسیٰ میں نے تم کو اپنے لئے خلق کیا ہے۔ یعنی اپنے کمالات کا مظہر بنایا ہے۔ نہ کہ بنی اسرائیل کے واسطے
چنانچہ اسی کی طرف اشارہ ہے اس حدیث قدسی میں۔ یعنی جس وقت اوّل اوّل حضرت آدمؑ نے
الحمد للہ رب العالمین کہا تو خداوند عالم کی طرف سے ندا آئی "یرحمک اللہ لھذا خلقتک"

لتوحدنی وتعبدنی وتحمدنی وتؤمن بی ولا تکفر بی ولا تشرک بی شیئاً" یعنی خدا تجھ پر رحم کرے۔ اسی واسطے میں نے تجھ کو خلق کیا ہے کہ تو میری توحید کا قائل ہو۔ میری عبادت کرے۔ میری حمد بجا لائے۔ مجھ پر ایمان لائے اور کافر و ناشکرا نہ ہو اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ گردانے۔ اور آنحضرتؐ کے باب میں حدیث قدسی مشہور ہے۔ "یا عبدی انت المراد وانت المرید وانت خیرتی من خلقی وعزتی وجلالی لولاک لما خلقت الافلاک" یعنی اے میرے بندے تو مقصود و مراد خلقت ہے۔ اور تو ہی مرید اور اپنے ارادے سے تصرف کرنیوالا اور تو ہی میری برگزیدہ مخلوق۔ مگر مجھے اپنے عزت و جلال کی قسم ہے اگر تو نہ ہوتا تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔ اور ایک اور حدیث میں ہے کہ خدا نے قلم سے کہا "فلولاہ لما خلقتک وما خلقت خلقی الا لاجله الخ" یعنی اگر محمد نہ ہوتا تو اے قلم میں تجھے خلق نہ کرتا اور نہیں خلق کیا میں نے مخلوق کو مگر اس کے لئے اور اسی کے واسطے۔ پس تمام دنیا و ما فیہا اسؐ کے لئے پیدا کیگئی ہے نہ کہ وہ دنیا کے لئے خلق کیا گیا ہے۔ پس پیغمبر خلیفۂ خدا و مظہر کمالات الٰہیہ ہے۔ اور خلیفہ اپنے مستخلف کا آئینہ ہوتا ہے۔ کہ جو کمالات مستخلف میں ہیں وہ خلیفہ اور اس کے جانشین میں نظر آتے ہیں۔ ہدایت تفضلی و تطفلی ہے۔ کہ ہم اس کی ذات مظہر کمالات کو دیکھکر اس کے خالق و صانع کو پہچانتے ہیں۔ اور اس کے اخلاق سے اخلاق الٰہیہ اور اس کے افعال کی پیروی کرکے نجات پاتے ہیں۔ کہ وہ ہمیشہ صراط مستقیم الٰہی پر قائم ہے اور چشم زدن کیواسطے اس سے تخطی نہیں کرتا۔ پس چاہئے کہ خلیفہ خدا متصف باوصاف خداوندی ہو۔ اور "تخلقوا باخلاق اللہ" (متصف باخلاق الٰہی ہو) کا سچا مصداق۔ نہ کہ خلیفہ خدا و مظہر اللہ جاہل و سفیہ و ناقص و معیوب۔ فافہم وتدبر۔ "فان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون" "وما یجحد بآیاتنا الا الکافرون"۔

لا شک ولا ریب یہ خلیفۂ خدا و مظہر اللہ و آئینۂ توحید نما ابتدائے عمر ہی سے ان کمالات کا جامع ہوتا ہے جو دوسروں میں نہیں پائے جاتے اور وہ آثار وجودیہ فعلیہ اس سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو دوسروں سے ہرگز ظاہر نہیں ہو سکتے۔

اظہار نبوت و بعثت انبیاء

اور پھر ہم باآواز بلند کہتے ہیں "النبی نبی ولو کان صبیاً"۔ البتہ اظہار نبوت اذن الٰہی و حکم خداوندی پر موقوف ہے۔ بعض بوجوہات خاصہ و مصالح مخصوصہ ابتداء ہی میں اظہار پر مامور ہوئے اور بعض ایک مدت بعد اور بعض کو صغر سنی ہی میں حکم تبلیغ ہوتا ہے جس کو بعثت کہتے ہیں جیسا کہ حضرت یحییٰ کو

جناب باقرالعلوم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ کیا حضرت عیسٰیؑ نے جس وقت گہوارے میں تکلم کیا اس وقت وہ اپنے اہل زمانہ پر نبی اور حجۃ اللہ تھے۔ فرمایا ہاں وہ اُس وقت نبی اور حجۃ اللہ تھے۔ مگر تبلیغ پر مامور نہ ہوئے تھے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ اُنہوں نے فرمایا "انی عبداللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیاً"۔ سائل نے پھر دریافت کیا کہ کیا وہ اُس وقت حضرت زکریاؑ پر بھی حجت تھے۔ فرمایا عیسٰیؑ اُس وقت میں خدا کی رحمت اور ایک آیت تھے لوگوں کے واسطے اور وہ حجت تھے اُن لوگوں پر جنہوں نے اُن کا کلام سُنا۔ پھر وہ خاموش ہوگئے اور دو سال تک تکلم نہیں فرمایا۔ اور اُن دو سال میں حضرت زکریاؑ ہی لوگوں پر حجت خدا رہے۔ پھر حضرت زکریاؑ کا انتقال ہوگیا اور اُن کے فرزند حضرت یحیٰیؑ وارث کتاب و نبوت ہوئے۔ درانحالیکہ وہ بچہ ہی تھے۔ کیا تم نے نہیں سُنا کہ خدا فرماتا ہے "یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَّاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا" (اے یحیٰیؑ لے کتاب کو قوت کے ساتھ اور ہم نے اُس کو بچپن ہی میں حکم نبوت عطا کردیا کہ نبوت ظاہر کرے اور تبلیغ فرمائے) اور جب حضرت عیسٰیؑ سات سال کے ہوگئے تو بحکم الٰہی انہوں نے رسالت کو ظاہر فرمایا۔ اور اُس وقت سے حضرت عیسٰیؑ جناب یحیٰیؑ پر بھی حجت تھے۔ جناب ختمی مرتبت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اگر مجھکو ضرورتاً در مصلحت الٰہی ہوتی تو میں بھی مثل حضرت عیسٰیؑ روز ولادت اپنی نبوت کا اظہار کرتا جیسا کہ ابوذر و سلمان فارسی کے جواب میں حضرت امیرؑ کے صغر سنی اور سبقت اسلام کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا ہے اور یہی مضمون روایت ذیل سے بھی مستنبط ہوتا ہے۔

وہب بن عتبہ یمانی سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرتؐ سے سوال کیا "یا محمدؐ اکنت فی ام الکتاب نبیاً قبل ان تخلق قال نعم قال وھؤلاء اصحابک المؤمنون مثبتون معک قبل ان یخلقوا قال نعم قال فما شانک لم تکلم بالحکمۃ حین خرجت من بطن امک کما تکلم عیسیٰ بن مریم علیٰ زعمک وکنت قبل ذالک نبیاً فقال النبی انہ لیس امری کامر عیسیٰ ابن مریم خلق اللہ لہ من ام لیس لہ اب کما خلق اللہ اٰدم من غیر اب ولا ام ولو ان عیسیٰ خرج من بطن امہ لم ینطق بالحکمۃ لم یکن لامہ عذر عند الناس وقد اتت بہ من غیر اب وکانوا یاخذونھا کما یوخذ بہ مثلنا من المحصنات فجعل اللہ منطقہ عذراً لامہ"۔ یعنی اے محمدؐ کیا تم ام الکتاب میں قبل خلقت نبی تھے؟ فرمایا ہاں اس نے کہا کیا یہ اصحاب مومنین بھی آپ کے ساتھ ثبت تھے فرمایا ہاں۔ کہا پھر تمہیں کیا ہؤا کہ تم نے شکم مادر سے باہر آتے ہی حکمت کی باتیں نہ کیں جس طرح تمہارے زعم میں عیسٰےؑ بن مریم نے کیں۔ فرمایا میرا معاملہ عیسٰےؑ کا سا نہ تھا وہ بلا باپ کے

پیدا ہونے تھے جس طرح آدمؑ بلا ماں اور باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اگر عیسےٰؑ پیدا ہوتے یہ تکلم نہ فرماتے۔ ان کی والدہ کو لوگوں کے پاس کوئی عذر نہ ہوتا۔ جبکہ وہ بلا باپ بچہ جن لائی تھیں اور لوگ ان سے وہی مواخذہ کرتے تھے جو ہم میں سے محصنات کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ رجم کرنا چاہتے تھے پس اللہ نے عیسےٰؑ کے اُس وقت تکلم و نطق کو ان کی والدہ کے لئے عذر قرار دیا اور ان سے تہمت رفع ہوئی۔ مطلب حضرتؑ کا واضح ہے کہ اگر عیسےٰؑ کی سی ضرورت مجھے بھی درپیش ہوتی تو میں تکلم بالحکمۃ کرتا اور نبوت کا اظہار اُسیوقت کرتا۔ لیکن مجھے اُس وقت ایسی ضرورت نہ تھی اس لئے تکلم پر مامور نہ ہوا۔ اور جب مامور بتکلم ہوا۔ بولا اور نبوت کا اظہار کیا۔

جب بدلائل ثابت ہوگیا کہ روح قدس عین علم و نور ہے اور افضل ہے تمام ارواح سے اور جملہ ملائکہ سے اور اُس کا مادہ مادۂ نورانیہ یا اور اُس کا نطفہ نطفۂ ارضیہ جسمانیہ ظلمانیہ نہیں اور ان کی ولادت غیر طریق ولادت عامہ پر ہوتی ہے اور اُن کی خلقت عالم امری سے ہے نہ عالم خلقی مادی سے۔ اور وہ مظہر صفات کمالیہ الٰہیہ و خلیفہ و جانشین و آئینہ اوصاف الٰہی ہوتے ہیں تو اُن کو عوام الناس پر قیاس کرنا عدم معرفت نبوت پر شاہد ہے۔ اور اُن کے آثار عجیبہ و افعال غریبہ سے متعجب ہونا اور ان میں شک و شبہ کرنا جہالت کی دلیل۔ نبی اور عام انسانوں میں مشابہت و مماثلت صرف خلق تقدیری یعنی صورت ظاہری بشری میں ہوتی ہے نہ تمام صفات و کمالات میں۔ بَشَر مشتق ہے بشرہ سے اور بشرہ ظاہر جلد کو کہتے ہیں۔ پس بشر کے لغوی معنی کھلی کھال والا حیوان ہے۔ چونکہ انسان بادی البشرہ (کھلی کھال) ہوتا ہے اس لئے اس کو بشر کہا جاتا ہے۔ پس جب نبی کو بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہا گیا ہے اور کہیں رَجُلٌ مِّثْلُكُمْ یا اِنْسَانٌ مِّثْلُكُمْ نہیں کہا گیا تو لازمی طور پر نبی کی مشابہت و مماثلت دیگر انسانوں سے صرف صورت ظاہری بشری ہی میں ہوگی نہ کہ تمام صفات انسانیہ و کمالات رحلیہ میں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انبیاء تمہاری ہی صورت میں خلق کئے گئے ہیں نہ یہ کہ حقیقت و باطن میں بھی مثل تمہارے ہیں اور اس صورت بشری میں انبیاء علیہم السّلام کو خلق کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ انبیاء یہاں نوع بشر کی ہدایت کیواسطے مبعوث ہوئے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ ہر ایک شے اپنے ہم جنس اور ہم صورت و ہم شکل سے مالوف و مانوس ہوتی ہے۔ غیر جنس اور غیر صورت سے بالطبع نفرت کرتی ہے اور ڈرتی ہے۔ اور دو غیر جنس چیزوں میں کمال اُلفت و انس و اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اگر انبیاءؑ صورت بشری میں مبعوث و مخلوق نہ ہوتے تو نوع بشر ان

سے مانوس نہ ہوتی اور ہدایت نہ پاتی اور غرض بعثت فوت ہو جاتی۔ چنانچہ اس مضمون کو اللہ جلشانہ نے اپنے کلام پاک میں بیان فرمایا ہے "وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ۝ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا" (بنی اسرائیل) یعنے فرماتا ہے کہ نہیں منع کیا ان لوگوں کو کسی چیز نے اس امر سے کہ وہ ہادیانِ برحق پیغمبر خدا پر ایمان لائیں جبکہ وہ ہدایت لیکر آئے مگر صرف اس بات نے کہ انھوں نے کہا کیا اللہ نے ایک بشر کو ہم پر رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اے پیغمبر ان سے کہدو کہ اگر زمین میں ملائکہ بود و باش رکھتے ہوتے تو ضرور ہم ان کے لئے آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے" لیکن چونکہ ایسا نہیں ہے۔ اور تم بشر ہو تمہارا رسول بھی صورت بشری ہی میں بھیجا گیا۔ فرشتے سے ہرگز مانوس نہ ہو سکتے۔ اور نہ اُس کو پہچان سکتے۔ چنانچہ اسیواسطے خدا فرماتا ہے کہ اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو صورت بشری ہی میں بھیجتے اور تمہیں پھر وہ ہی اشتباہ رہتا جواب ہے کہ کہتے ہو ایک بشر کو ہم پر رسول بنا کر کیوں بھیجدیا ہے۔ "وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ"۔ پس صورت ظاہری میں مشابہت اِس بات کی دلیل نہیں کہ وہ باطناً بھی مشابہ ہوں۔ باطناً وہ اپنے اخلاق عادات آداب اطوار۔ نفوس اور قابلیات میں تمام انسانوں سے جدا و ممتاز ہیں۔ یہی محققین علماء نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ ہم آخر مقدمہ میں بعض اقوال علماء نقل کرینگے۔ اور اس مضمون کو ہم نے اس وجہ سے طول دیا ہے اور ضرورت سے زیادہ توضیح کی ہے کہ آئندہ مقاصد کتاب میں ناظرین کو کمالات نبوت کے سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے۔ کیونکہ بہت سی گمراہیاں اور بے انتہا غلط فہمیاں "بشر مثلکم" کے معنے نہ سمجھنے ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اور اکثر قشرین جو خلعت معرفت نبوت سے عاری ہیں ہر موقع پر یہی کہتے ہیں کہ خدا جو فرماتا ہے کہ وہ تم ہی جیسے بشر ہوتے ہیں یعنی تمام باتوں میں ہماری ہی مثل ہوتے ہیں اور اِس لئے ہر ایک نقص و عیب کے اُن کے لئے قائل ہو جاتے ہیں اور اُس کی تعریف قرآنی میں جو "یُوحیٰ اِلَیَّ" آیا ہے اور جو اصل حقیقت نبوت ہے اُس کو خیال ہی میں نہیں لاتے۔ حالانکہ معیار نبوت وہ ہے نہ بشریت۔ ناقص العقل ظاہر پرست قشرین اور منکرینِ آیات الہی اسی صورت بشری کو دیکھکر گمراہ ہوتے اور نبوت کا انکار کرتے تھے۔ کہ ہم ہی جیسا ایک بشر ہم پر کیونکر حاکم ہو سکتا ہے! اور کیونکر خدا سے ایسا تعلق خاص پیدا کر سکتا ہے۔ اور وہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ جسم یا صورت ظاہری بشری نبی

نہیں ہے بلکہ نبی، روح قدس ہے۔ انھوں نے نبی کے آثار وجودیہ اور کمالات فعلیہ سے نہ سمجھا کہ نبوت کمال باطنی ہے نہ صورت ظاہری۔ چنانچہ متعدد آیات میں یہ مضمون مذکور ہے اور ایسے منکرین نبوت اور اُن کو اپنے جیسا انسان جاننے والوں کی تکذیب فرماتا ہے اور مذمت کرتا ہے (سورہ ہود) قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ یعنی حضرت نوحؑ کی قوم کے کافروں سے ایک گروہ نے کہا کہ ہم تجھ کو اپنے جیسا ایک بشر دیکھتے ہیں۔ اور ہم نہیں دیکھتے کہ سوائے ہماری قوم کے چند رذیلوں کے اور کسی نے تمہاری پیروی کی ہو۔ اور تم میں اپنے سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں پاتے اور ہم تم کو اس دعوئے نبوت میں جھوٹا سمجھتے ہیں **ایضاً** (سورہ مومن) أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ "یعنی قوم فرعون نے کہا کہ کیا ہم ان دو بشروں (موسیٰؑ و ہارونؑ) پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم تو ہماری عبادت کرتی ہے۔ **ایضاً** (جائے دیگر) مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ وَلَئِنْ أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ "یعنی نہیں ہے یہ مگر تم ہی جیسا ایک بشر۔ جو تم کھاتے ہو وہ ہی وہ کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو وہ ہی وہ پیتا ہے۔ اور اگر تم اپنے جیسے ایک بشر کی اطاعت کر لو گے تو ضرور تم خسارہ اُٹھاؤ گے۔ **ایضاً**۔ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأْتُونَا بِسُلْطَانٍ مُبِينٍ " (ابراھیم ع ۲) تم نہیں ہو مگر ہم ہی جیسے بشر۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اُن کی عبادت سے روکو جن کو ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے۔ تو تم کوئی کھلی ہوئی دلیل حجت و برہان لاؤ۔ **ایضاً** مَا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا فَأْتِ بِآيَةٍ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ " تو نہیں ہے مگر ہم ہی جیسا ایک بشر۔ پس اگر تو سچا ہے تو کوئی نشانی دکھا۔ غرض اور بہت سی آیات میں جن میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو نبوت انبیاء کا اس وجہ سے انکار کرتے تھے کہ نبی انھی کی صورت بشری میں آئے تھے اور خدا ان کی مذمت فرماتا ہے اور اُن کو سرزنش توبیخ و تبکیت فرماتا ہے اور یہ وہ ہی نسبت دونیہ ہے جس کی بناء منکر اول یعنی ابلیس لعین نے ڈالی تھی اور اسی وجہ سے حضرت آدمؑ کی تعظیم سے انکار کیا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی خبر دیتا ہے " قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ (سورہ ص ع ۵) **ترجمہ**: اے ابلیس کس نے تجھ کو

منع کیا ہے۔ کہ تو سجدہ کرے اس وجود کو جسے میں نے اپنی رُوح پاک اور مادۂ نورانیہ سے خلق کیا ہے۔ کیا تو نے تکبر کیا ہے۔ یا در اصل تو اُن نفوس عالیہ میں سے ہے جو محکوم سجدہ آدمؑ نہیں ہیں۔ اُس نے کہا میں آدمؑ سے بہتر ہوں کیونکہ مجھ کو تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدمؑ کو مٹی سے۔ اور آگ اُس کے نزدیک گویا طین سے افضل ہے۔ شیطان کا یہ قیاس فاسد اس پر مبنی ہے۔ کہ نبوت صورت ظاہری جسمانی کو سمجھا۔ اور "نفخت فیہ من روحی" کا خیال نہ کیا۔ کہ اصل نبی روح قدس ہے نہ صورت بشری۔ اور وہ روح قدس اُس سے ہزار درجہ بلکہ لاکھ درجہ اکمل و افضل ہے اور مادۂ نورانیہ نبویہ بھی اس سے کہیں افضل و اشرف و اعلےٰ ہے اور وہ آگ طینت نورانیہ نبویہ سے بدرجہا پست تر۔ یہ بھی اُس کی جہالت ہے کہ آگ کو طینت سے بہتر بتلایا حالانکہ آگ طینت سے چوتھے درجے پر ہے۔ آگ نبات سے پیدا ہوتی ہے۔ "اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا" فتدبر وتامل۔ پس معلوم ہوا کہ نبی کو بھی بشر ہی مثل سمجھنا مشرکین و منکرین نبوت کا عقیدہ ہے۔ اور اُن کو اپنے اوپر قیاس کرنا انکار نبوت ہے۔ معارف نبوت میں قیاس سے کام نہ لینا چاہیے۔ "اَوَّلُ مَنْ قَاسَ فَھُوَ اِبْلِیْسُ"

فصل

(نبوت مطلقہ کُلّیہ)

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا مطلق نبوت کی تعریف تھی۔ (کہیں کہیں نبوت کلیہ کی طرف اشارہ کیا گیا) اور یہ وہ مرتبۂ نبوت ہے جس میں تمام انبیاءؑ از آدمؑ تا خاتمؐ داخل ہیں اور سب کو شامل جس طرح کہ مطلق انسان کی تعریف میں جملہ افراد انسانی شریک ہیں اور پھر باعتبار اصناف و اشخاص مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس مرتبۂ نبوت میں تمام شریک ہیں۔ اور اس تعریف میں سب داخل۔ "اِنَّ النَّبِیَّ بَشَرٌ یُّوْحٰی اِلَیْہِ" تعریف جامع ومانع ہے۔ لیکن کلام حمید مجید ہم کو ہدایت کرتا ہے کہ بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں اور مراتب و درجات شخصیہ جدا رکھتے ہیں۔ چنانچہ "تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ الخ" سے ظاہر ہے۔ اور کلام پاک اور احادیث نبویؐ ہم کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ بعض انبیاء ایسے تھے جو صرف اپنے ہی نفس پر نبی تھے۔ اور بعض ایک ملک پر مبعوث ہوئے اور بعض صرف ایک قوم پر رسول تھے۔ اور حضرت

آدمؑ سے لیکر تا حضرت عیسٰیؑ مریم جملہ انبیاء ورسل اس قسم کے تھے۔ یعنی ان کی نبوت ایک زمانہ خاص اور ایک ملک خاص اور ایک خاص قوم میں منحصر ومحدود تھی۔ تمام عوالم یا جملہ بنی نوع انسان پر مبعوث نہ تھے۔ چنانچہ حضرت عیسٰیؑ فرماتے ہیں "یَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ" (سورہ صف) اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ اسی طرح حضرت موسٰیؑ صرف بنی اسرائیل قوم فرعون کی طرف بھیجے گئے تھے "كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا"۔ بعض ایسے تھے جو صرف ایک لاکھ پر مبعوث ہوئے تھے۔ جیسا کہ حضرت یونسؑ کی نسبت خدا خبر دیتا ہے: "وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ" (والصافات) (اور ہم نے اُن کو ایک لاکھ یا کچھ زیادہ کی طرف بھیجا تھا) یہاں سے بخوبی واضح ہے کہ نبوت انبیاء سابقین منحصر ومحدود تھی۔ باعتبار مکان۔ باعتبار زمان اور نیز بلحاظ مبعوث الیہم۔ اور انکی نبوت نبوت مطلقہ عامہ نہ تھی کہ ہر زمانے میں نبی ہوں اور ہر جگہ نبی ہوں اور ہر ایک موجود پر نبی ہوں۔ ایسی نبوت جو کسی زمانے اور کسی مکان اور کسی خاص قوم سے مخصوص اور اُس میں محدود نہ ہو بلکہ وہ نبی ہر موجود پر نبی ہو اور ہر زمانے میں نبی ہو۔ **نبوت مطلقہ کلیہ** کہلائیگی۔ اور صاحبان نبوت محدودہ کے علوم شخصیہ و کمالات انفرادیہ کی مثال بعد اشتراک مطلق نبوت بلاتشبیہ ایسی ہے کہ جو شخص مثلاً ایک شہر یا ایک قوم پر حاکم بنایا جائیگا۔ اُس کو اسقدر علوم تعلیم دیئے جائینگے۔ جو اُس ملک اور اُس قوم کی ضروریات شخصیہ تمامیہ کے لئے بلحاظ زمان ومکان ضروری ولازمی ہیں۔ اور جو شخص مثلاً دس شہروں یا ایک صوبے پر حاکم بنایا جائیگا۔ اُس کو اتنے علوم کی ضرورت ہوگی کہ وہ اُس صوبے کا انتظام کرسکے۔ جو شخص تمام ممالک پر حاکم ہو اُس کو اُن سب سے زیادہ اس قدر علوم کی ضرورت ہوگی کہ تمام ممالک کی ضروریات کے لئے کافی ہوں۔ پس وہ نبی جو صرف ایک لاکھ انسانوں پر مبعوث ہوا ہے ہو سکتا ہے کہ علوم میں اس نبی سے کم ہو جو مثلاً دس لاکھ یا بیس لاکھ پر مبعوث ہوا ہے۔ اور وہ نبی یقیناً علوم وفنون میں تمام انبیاء سے افضل ہوگا۔ جو تمام موجودات پر مبعوث ہوا ہو۔ علاوہ ازیں باعتبار زمان ومکان بھی علوم میں اختلاف ہوتا ہے۔ یعنی جو نبی اس وقت مبعوث ہوا ہے جبکہ نوع انسانی بحیثیت نوع ہونے کے ترقی کی راہ میں بہت ہی پیچھے تھی۔ اور اُس کی حالت بالکل سکول کی ابتدائی جماعت کی سی تھی اُس کو اس وقت اُن علوم کی ضرورت نہیں جو اس نبی کو دیئے جائینگے۔ جو اُس وقت مبعوث ہو جبکہ نوع انسانی اعلٰے درجۂ ترقی پر پہنچی ہوئی ہو۔ عقول کامل ہو گئیں قوائے ادراکیہ قوی تر ہو گئی ہوں۔ علوم وفنون شائع ہو رہے ہوں۔ تمدن میں ید طولٰے رکھتی ہو۔ چنانچہ جب نوع انسانی بالکل ابتدائی حالت میں تھی اُس کی حیثیت باعتبار تعلیم وتحصیل علوم ایسی تھی جیسی کہ اُس بچے کی ہوتی ہے

جو طفل اوّل معلم کے پاس پڑھنے کے لئے بیٹھتا ہے اور اوّل معلم اُس کو صرف حروف مفردات الفاظ سکھاتا ہے
اس کے کہ اُس کو معانی بتلائے کیونکہ ابھی اُس میں یہ استعداد نہیں ہوتی کہ حقائق و معارف و مطالب و مقاصد عالیہ سمجھ
سکے یا معانی پر احاطہ اور اُن کو ضبط کر سکے۔ لہذا حکیم مطلق و علیم ازلی نے معلم اوّل نوع انسان یعنی جناب ابوالبشر آدمؑ
کو صرف اسماء اشیاء تعلیم فرمائے۔ چنانچہ فرماتا ہے "عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" حضرت آدمؑ کو تمام اسماء سکھا دیئے
کوئی شے ارضی و سماوی ظاہر و پوشیدہ ایسی نہ تھی جس کا نام حضرت آدمؑ کو نہ بتلایا گیا ہو جو چیزیں اب ایجاد ہوتی
ہیں۔ اُن سب کے نام بھی حضرت آدمؑ کو تعلیم کئے گئے تھے۔ اور یہ وہی تعلیم الٰہی ہے جو ذریت حضرت آدمؑ میں عدتاً
آئی ہے اور لوگ اشیاء کے نام رکھتے ہیں۔ "ولھذا قیل الاسماء تنزل من السماء" چیزوں کے نام آسمان سے
نازل ہوتے ہیں۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ جب کسی کو خلیفہ و جانشین یا حاکم بنایا جائے تو اوّل اوّل اُس کو اس
امر کی ضرورت ہے کہ وہ جملہ محکومین کی زبانوں کو سمجھتا ہو جبتک وہ ان سب کی زبانوں کا عالم نہ ہوگا
حاکم نہیں بنایا جائیگا۔ چنانچہ اوّل حضرت آدمؑ کو تمام زبانیں ہی تعلیم دی گئیں۔ اور چونکہ اُس وقت
تمدن نوعی نہ تھا۔ کوئی خاص قانون تشریعی اُن کے لئے مرتب نہیں کیا گیا اور نہ حضرت آدمؑ کو حقائق و
ملکوت اشیاء بتلائے اور دکھلائے گئے اور ماہیات کی تعلیم دی گئی۔ صرف اسماء و مسمیات۔ اُس وقت
فطریات اولیہ مستقلات عقلیہ تھیں یا عبادات میں فعلیات حضرت آدمؑ۔ اور جب نوع انسان من حیث
النوع فی الجملہ ترقی کر گئی اور تمدن کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو اُن پر جو نبی مبعوث ہوا اُس کو اور زائد علوم
دے گئے۔ اور قانون تشریعی بھی اُن کو دیا گیا یعنی حضرت نوحؑ کے زمانے میں قانون شریعت جاری ہوا
چنانچہ حق تعالیٰ خبر دیتا ہے "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا
وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا الخ" ترجمہ۔ تمہارے
لئے دین کا قانون تشریعی قرار دیا ہے اُس چیز سے جو نوحؑ کو وصیت کی تھی اور جو اے پیغمبر تجھ کو وحی کیا ہے
اور جو ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ کو وصیت کیا تھا کہ دین کو قائم کرو اور متفرق نہ ہو۔ پس یہی پانچ شریعتیں ہیں
شریعت حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ اور شریعت حضرت ختمی
مرتبت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نوع انسان بہ نسبت زمانہ حضرت نوحؑ الد
زیادہ ترقی یافتہ ہوگئی تھی اور موجودات ارضی و سماوی میں غور و خوض کرتی تھی۔ تو حضرت ابراہیمؑ کو بعض
حقائق و بواطن آسمان و زمین بھی دکھلائے گئے۔ تاکہ بکمال اطمینان و دلائل واقعیہ یقینیہ ستارہ پرستوں
بُت پرستوں اور آتش پرستوں کے اعتقادات فاسدہ کو باطل کر سکیں۔ اور نجومی و رمال وغیرہم سے کسی علم
میں نہ دبیں اور مغلوب نہ ہوں۔ فقال "وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"

اسی طرح سے ہم ابراہیمؑ کو بواطن و حقائق آسمان و زمین دکھلاتے ہیں تاکہ کامل طور پر باطل کرکے دکھلا دے کہ یہ موجودات ارضی و سماوی۔ چاند۔ سورج ستارے یا پتھر کے بُت ہرگز قابل عبادت نہیں ہیں جو محل حوادث و عوارض ہیں۔ اور حادث۔ قابل عبادت و پرستش ذات الوجود قدیم ازلی ابدی ہے جس نے ان سب کو خلق کیا ہے۔ "اَللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" (صافات ع ۱) بعد ازاں حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں قوانین شرعیہ میں زیادتی ہوئی اور اُن کو توریت دی گئی۔ "وَنَزَّلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ" اور حضرت عیسیٰؑ اسی کے احکام کی تکمیل کے واسطے مبعوث ہوئے اور کچھ چیزیں زیادہ لائے اور انجیل مقدس اُن کو عطا ہوئی (وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ) اور سلسلہ تدریجی یہاں تک پہنچا۔ اور جب نوع انسانی کی ترقی کا آخری درجہ آیا تو قرآن پر جو نبی مبعوث ہوا اُس کو ایسا کامل و جامع و حاوی ضروریات انفرادیہ و اجتماعیہ جمیع نوع بنی آدم بلکہ جمیع عوالم قانون دیا گیا جس میں کسی قسم کی کمی نہیں اور کوئی حکم ایسا نہیں جو اس میں موجود نہ ہو جس کی شان میں فرمایا ہے "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" اس میں ہر ایک چیز کا بیان واضح موجود ہے "مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ" اس کتاب میں کسی قسم کی کمی نہیں۔ "لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ" ہر ایک خشک و تر کا بیان اس کتاب مبین میں موجود ہے اور وہ کیا ہے "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" وہ کتاب جامع قرآن ہے جو سراسر نور ہے "قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا"

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلحاظ ضرورت زمان و مصلحت وقت ایک نبی کو بہت سے علوم دئے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس سے کم دئے جاتے ہیں لیکن بعض وہ جو اس پہلے کو نہیں دئے گئے جیسا کہ حضرت موسیٰؑ و حضرت خضرؑ کہ حضرت موسیٰؑ باعتبار جامعیت علوم حضرت خضرؑ سے افضل تھے اور نبی اولوالعزم تھے اور صاحب شریعت تھے بخلاف حضرت خضرؑ لیکن بعض علوم باطنیہ حضرت خضرؑ کو ایسے آتے تھے جن سے حضرت موسیٰؑ ناواقف تھے۔ اور اسی واسطے حضرت خضرؑ کے کشتی توڑنے، بچے کو قتل کرنے اور دیوار کو کھڑا کرنے پر اعتراض کیا اور صبر نہ کر سکے۔ (دیکھو سورۂ کہف) +

غرض کچھ بھی ہو جس طرح نبوات انبیاءؑ سابقین تا حضرت عیسیٰؑ محدود ہیں اسی طرح علوم بھی ان کے بہ نسبت نبوت مطلقہ کلیہ جزئیہ و محدود ہیں۔ لہٰذا جہاں کہیں انکے علوم کا ذکر قرآن میں آیا ہے ایسے ہی الفاظ میں آیا ہے جو جزئیت پر دال ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے حق میں فرماتا ہے "وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ" (دخان) ہم نے برگزیدہ کیے اُنکو عالمین پر کچھ علم کے ساتھ۔ اور سب انبیاءؑ کی شان میں فرماتا ہے "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا"

سب کو ہم نے حکم اور کچھ علم عطا کیا ہے (انبیاء) "وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا" (نمل) البتہ ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو ایک علم یا کچھ علم دیا۔ "آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا" (یوسف) ہم نے اُس کو حکم اور کچھ علم عطا کیا۔ "وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا" (انبیاء) اور لوطؑ کو ہم نے حکم اور کچھ علم دیا۔ غرض اس قسم کی اور بہت سی آیات انبیاء سابقین علیہم السلام کے متعلق ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا علم مثل اُن کی نبوات کے بہ نسبت نبوت مطلقہ کلیہ محدود و جزئی تھا۔ جیسا کہ ان آیات سے ظاہر ہے۔ کہ اِن سب میں یہی مذکور ہے کہ کچھ علم دیا۔ کیونکہ جہاں علم کلی کا ذکر ہے وہاں "أُوتُوا الْعِلْمَ" فرمایا ہے۔ "يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" "وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ" وغیر ذالک۔ اور جس جگہ عوام کے علم جزئی کا ذکر ہے وہاں فرمایا ہے "مَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا" نہیں دیا گیا ہے تم کو علم میں سے مگر تھوڑا سا۔ اول "مِن" تبعیضیہ لایا گیا ہے۔ اور بعد از ان لفظ قلیل یعنی جزو علم میں سے تھوڑا سا حصہ تم کو دیا گیا ہے۔ اور آخر مقام نبوت میں فرماتا ہے "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" اے پیغمبر جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا سب خدا نے تعلیم کر دیا۔ کیا اسماء۔ کیا مسمیات کیا حقائق و بواطن اور کیا ماہیات و ملکوت اشیاء۔ کیا ظاہر اور کیا باطن۔ اور یہ مقام مقام نبوت مطلقہ کلیہ ہے۔ یہاں علم محدود و جزئی نہیں ہے۔ ہم احصاء نہیں کر سکتے کہ پیغمبرؐ کو کیا کچھ دیا۔ دینے والا جانے یا جسکو دیا گیا +

درجات ششگانہ نبوت

سابقاً ذکر کیا گیا ہے کہ درجات و مراتب ترقی مادہ چھ ہیں۔ اوّل صورت عنصریہ۔ دوّم صورت اثیریہ سوّم جماد۔ چہارم نبات۔ پنجم حیوانات اور ششم انسان۔ یہاں ترقی مادہ ختم ہو جاتی ہے اور انسان خلق تقدیری کے شکم مادر میں چھ درجے طے کرتا ہے۔ چنانچہ اوّل نطفہ ہوتا ہے۔ پھر علقہ پھر مضغہ پھر ہڈیاں پھر گوشت۔ ان پانچ درجوں میں صورت حیوانیہ مکمل ہو جاتی ہے بعد ازان اسکو اس عالم حیوانی جسمانی سے بالا خلقت عطا کی جاتی ہے اور اُس وقت انسان مکمل ہو جاتا ہے بتمام کمالات ذاتیہ جیسا کہ آیہ ذیل سے ظاہر ہے "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ (الیٰ ان قال) ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" یعنی خدا فرماتا ہے کہ جب اسی طرح انسان نے شکم مادر میں پانچ درجے طے کر لئے اور گوشت پوست قوئی سے اُس کی خلقت حیوانی کی تکمیل ہو گئی تو ہم نے پھر اُس کو ایک اور خلقت عطا کی پس بزرگ و برتر ہے اللہ جو بہترین خالق ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ چھٹے درجے کی خلقت

خلقت ماتحت سے فوق اور اُس کے علاوہ ایک دوسری خلقت ہے۔ جس سے یہ خیال قطعی طور پر باطل ہوتا ہے کہ حیوان ترقی کرتے کرتے انسان بن گیا اور انسان بندر سے ترقی کی ہے۔ کیونکہ یہ خلقت علیحدہ ہے اور یہ درجہ ہی جدا اور انسانیت ایک اور چیز ہے اور یہ آخر درجہ ترقی ہے مکونات کا۔ اسی طرح نوعِ نبوتی کے بھی چھ درجے ہیں اور اس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوتی ہے دوسرا درجہ حضرت نوح علیہ السلام کی نبوت کا ہے اور تیسرا حضرت ابراہیم علیہ السلام چوتھا حضرت موسیٰ علیہ السلام پانچواں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ اس درجہ پر پہنچکر نبوت محدودہ جزئیہ کامل ہوجاتی ہے۔ نبوت رسالت۔ اولوالعزمی کے مراتب سب پورے ہوجاتے ہیں۔ اور بعد ان مراتب پنجگانہ کے ایک اور علیحدہ مرتبہ ہے جو ان سب سے فوق ہے جس طرح کہ مرتبہ انسانیت تمام مراتب ماتحت سے بالا و فوق ہے۔ یہ مرتبہ ختم نبوت ہے۔ اور اُسی کو نبوت مطلقہ کلیہ کہا جاتا ہے پس **نبوت منتہائے ترقی انواع عالم ہے اور ختم نبوت منتہائے ترقی نبوات** ہے۔

انسان جو آخر موجودات مادیہ ہے اپنے کمالات حقانیہ میں آخر درجہ انسانیت تک ترقی کر سکتا ہے لیکن مرتبۂ نبوت جو اُس سے فوق و بالا ہے وہاں اُس کی ذاتی ترقی کو دخل نہیں ہے وہ اُس کے احاطے سے باہر ہے وہ کسب ریاضات سے حاصل نہیں ہو سکتی اور ختم نبوت فوق جمیع نبوات و منتہائے ترقی نبوت ہے بلکہ منتہائے ترقی ممکنات ہے۔ اس سے اوپر کوئی چیز کوئی موجود ترقی نہیں کر سکتا۔ اس سے اوپر بس مرتبہ ربوبیت و الوہیت ہے جہاں کسی ممکن کو دخل نہیں اور نہ کوئی ممکن اُس کا ادراک کر سکتا ہے اور نہ اُس پر احاطہ۔ مقام ختم نبوت و نبوت مطلقہ کلیہ عرش اعظم الٰہی ہے جہاں نہ کوئی نبی مرسل پہنچ سکتا ہے اور نہ کوئی ملک مقرب۔ سدرۃ المنتہیٰ انتہائے ترقی ممکنات ہے علماً و عملاً کسی ممکن کو اُس سے فوق ترقی ممکن نہیں۔ جبرئیل و میکائیل کا بھی وہ ہی آخری مقام ہے مگر ختم نبوت اس سے فوق تا عرش اعظم الٰہی ہے۔ دیکھو حالات شب معراج و عروج حضرت سرورِ کائنات روحی لہ الفداہ کہ جس وقت مقام سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے ہیں حضرت جبرئیل ٹھیر گئے فرمایا جبرئیل آگے بڑھو۔ عرض کیا "لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَۃً لَاحْتَرَقْتُ" اگر میں پور بھر بھی آگے بڑھوں تو تجلیات انوارِ الٰہیہ سے جل جاؤں۔ شعر

اگر یک سر موئے برتر پرم + فروغِ تجلّی بسوزد پرم

جبرئیل میں یہ قابلیت و استعداد کہاں کہ تجلیات فوق سدرۃ المنتہیٰ کی برداشت کر سکے اور ان کا متحمل ہو سکے۔ وہاں وہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ جو اسی عالم سے ہو اور اُس کا وہی مرکز ہو کیونکہ کوئی چیز

اپنے مرکز سے بالا نہیں جا سکتی۔ پس جسم نبوی نہ کہ صرف روح نبوی۔ عرش اعظم الٰہی مقام نور الانوار ہے جبرئیل چونکہ اس عالم سے نہیں ہے ان انوار مطلقہ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اُن کے تحمل کے لئے وجود اقدس محمدی چاہیئے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ ملاحظہ ہو برکت و شرافت نورانیت و روحانیت وجود اقدس نبوی کہ جبرئیل باوجود اُس قرابت و شرافت کے سدرۃ المنتہیٰ سے آگے ایک قدم نہ جا سکے اور اونٹ کی کھال کی جوتی یعنی نعلین مبارک شریف محض پائے اقدس کو مس کرنے کی وجہ سے تا عرش اعظم الٰہی پہنچی۔ "وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ۔ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ"

عرض کیا گیا کہ سدرۃ المنتہیٰ آخری درجہ ترقی ممکنات عالم ہے چنانچہ ثابت ہے کہ جبرئیل جیسے مقرب فرشتے کو بھی اُس سے فوق ترقی ممکن نہیں، اور اس مقام کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اُس وجود اقدس اعلیٰ کی قوت واستعداد و قابلیت فوق جمیع ممکنات و موجودات ارضی و سماوی ہے جو سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر عرش اعظم الٰہی تک پہنچ گیا اور تمام قوائے عالم اُس کے ماتحت ہیں۔ کوئی قوت اُس پر حاکم و مسلط و موثر نہیں ہو سکتی۔ اس سے فوق کوئی قوت نہیں الا قوت ربوبیت و الوہیت۔ یہی وجہ ہے کہ جبرئیل فرماتے ہیں کہ اگر سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جاؤں تو جل جاؤں اور آنحضرتؐ اُس سے اوپر جاتے اور اُن انوار و تجلیات کا بچشم ظاہری جسمانی ملاحظہ فرماتے ہیں اور آنکھوں کو خیرگی دیکا چوندھ تک نہیں ہوتی بلکہ بکمال اطمینان اُن تجلیات انوار جمالیہ و جلالیہ کے متحمل ہوتے ہیں "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" سورۃ نجم۔ پھر وہ قریب ہوا اور جھکا پس ہو گیا وہ مقام قاب قوسین پر بلکہ اُس سے قریب تر۔ پھر وحی کی خدا نے اپنے بندے کو جو کچھ کہ کی جسے کوئی نہیں جانتا کہ کیا کہا اور کیا دیا۔ اور جو کچھ وہاں چشم دل سے مطالعہ کیا اُس میں دل نے غلطی نہیں کی ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح حقائق و معارف کا ادراک کیا۔ کیا تم شک کرتے ہو اُس کے باب میں جو کچھ کہ اُس نے دیکھا۔ البتہ اُس نے دیکھا جبرئیل کو دوسری مرتبہ مقام نزولی میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور وہیں جنت الماویٰ ہے (کب دیکھا؟) جبکہ سدرۃ المنتہیٰ کو انوار تجلیات الٰہیہ گھیرے ہوئے اور اس طرح سے ڈھانپے ہوئے تھے کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں اور ان انوار کو دیکھ کر نہ آنکھ چوندھیائی اور نہ اُس نے دیکھنے میں کجی و غلطی کی۔ البتہ اُس نے وہ خدا کی بڑی بڑی آیات و نشانیاں دیکھیں جو کسی نے نہ دیکھی تھیں۔ پس معلوم ہوا کہ مقام ختم نبوت

مقام قاب قوسین او ادنیٰ ہے کوئی مخلوق اُس سے فوق نہیں۔ تمام اُس کے ماتحت ہیں۔ کیونکہ مرتبہ قاب قوسین مرتبہ منتہائے امکان ہے۔ کہ قوس صعودی و نزولیِ امکان۔ مقام وجوب وجود ذاتی سے قرب منزلت پیدا کرتی ہے اور مقام "او ادنیٰ" مقام وجوب وجود غیری ہے یعنی امکان ذاتی سے گذر کر واجب بالغیر کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اُدھر معبود سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل خواص اُس برزخ کبریٰ ہیں تھا خرد متشدد کا۔ پس کون ہے جو اس مرتبہ کا ادراک کر سکے اور تصور میں لا سکے قطعاً محال ہے اُس کو یا تو وہ جانے جس نے عطا کیا ہے یا اُس کا دنی مطلق جو نفس رسول و تالی ختم نبوت ہے۔ لہذا اسی واسطے بطور حقیقت جناب ختمی مآبؐ نے فرمایا ہے نہ بطور مجاز و استعارہ "یا علی ما عرف اللہ الا انا وانت وما عرفنی الا اللہ وانت وما عرفک الا اللہ وانا" اے علیؑ نہیں پہچانا خدا کو مگر میں نے اور تو نے اور نہیں پہچانا مجھ کو مگر خدا نے اور تو نے اور نہیں پہچانا تجھ کو مگر خدا نے اور میں نے۔ لاشک و لاریب مقام ختم نبوت و نبوت مطلقہ کلیہ کو سوائے صانع عالم و ولی اللہ الاعظمؑ اور کوئی نہیں پہچان سکتا۔ یہ ہمارے ادراک سے نہیں بلکہ ادراک ملائکہ سے باہر ہے یہاں دم مارنے کی جگہ نہیں اُتنا ہی کہہ سکتے ہیں جتنا کہ اُس نے خود فرمایا ہے اور ہم کو تعلیم دیا ہے۔ قیاس سے کام لینا قطعاً بے دینی ہے ÷

بالفاظ دیگر۔ اول مرتبۂ نبوت اُس وقت ہوتا ہے جبکہ چالیس درجہ علوم عطا ہو جائیں۔ "حتیٰ اذا بلغ اربعین سنۃ"۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہوا ہے "الرؤیا الصادقۃ جزء من اربعین جزء من اجزاء النبوۃ" یعنی سچا خواب نبوت کے چالیس جزوں میں سے ایک جزو ہے یعنی چالیس انحاء علوم میں سے ایک طریق علم سچا خواب ہے۔ اور ایک اور حدیث میں آیا ہے سچا خواب نبوت کے چھیالیس جزوں میں سے ایک جزو ہے۔ اور ایک میں ساٹھ جزوں میں سے ایک جزو اور ایک حدیث میں نبوت کے ستّر جزوں میں سے ایک جزو سچّا خواب ہے۔ چنانچہ ابوالصلت سے حدیث طویل کے ذیل میں مروی ہے کہ حضرت رضا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے جدّ رسول خدا نے فرمایا ہے "من رأنی فی المنام فقد رأنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی ولا فی صورۃ احد من اوصیائی ولا فی صورۃ احد من شیعتہم وان الرؤیا الصادقۃ جزء من سبعین جزء من النبوۃ" محققین کاملین کے نزدیک ان احادیث میں صورت جمع یہ ہے کہ چالیس درجہ علوم اول مرتبہ مطلق نبوت ہے۔ چھیالیس درجے پر پہنچکر رسول ہوتا ہے اور ساٹھ درجے پر پہنچکر اولوالعزم اور ستّرواں درجہ مقام ختم نبوت ہے کہ اُس سے اوپر کوئی درجہ نہیں اور ستّر ہمارے حساب کا ستّر نہیں بلکہ اعداد الٰہیہ کے عشرات کا آخری درجہ ہے یعنی احاد الٰہیہ کی اکائیاں

تو سات پر ختم ہوتی ہیں، اور دہائیاں ستّر پر جس طرح ہماری اکائیاں دس پر تمام ہوتی ہیں و دہائیاں سو پر چنانچہ کلام حمید مجید اس کی شہادت دیتا ہے "سَیَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ - وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ - قُلْ رَّبِّيْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ" وہ کہینگے کہ اصحاب کہف تین ہیں چوتھا اُن کا کتّا ہے اور بعض اٹکل سے کہینگے کہ چھ ہیں ساتواں اُنکا کتّا ہے اور بعض کہینگے کہ سات ہیں اور آٹھواں اُنکا کتّا ہے - کہدو پیغمبر کہ میرا پروردگار ہی اُن کی تعداد کو خوب جانتا ہے اور نہیں جانتے اُن کی تعداد کو مگر بہت تھوڑے لوگ - اس آیہ مبارکہ سے ظاہر ہے کہ جب تین اور چھ ذکر کیا گیا ہے واو عطف زائد نہیں لایا گیا مگر سات کا ذکر کرکے اور اُس کے بعد آٹھ کا ذکر آیا اور کہا کہ کہینگے کہ سات ہیں اور آٹھواں اُن کا کتّا ہے تو آٹھ کے اوپر واؤ زیادہ کیا - جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احاد (اکائیاں) ان اعداد الٰہیہ کی سات پر ختم ہوجاتی ہیں اور آٹھ اکائیوں میں داخل نہیں ہے اُس سے خارج ہے اس لئے اُس کو واو فاصلہ سے علیحدہ ذکر کیا - اور اس حساب میں یوم ربوبیت ایک ہزار سال کا ہوتا ہے "وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" تحقیق کہ ایک دن تیرے پروردگار کے نزدیک تمہارے حساب سے ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے - اور یوم الوہیہ پچاس ہزار کا "فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" یعنی روز بازگشت و قیامت کے دن کی مقدار ہمارے حساب سے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی - غرض یہ عشر کا عدد عدد محدود میں ساٹھ اور دس مراد نہیں بلکہ عشرات اعداد الٰہیہ کا آخری درجہ ہے جو ایک عدد غیر معین و غیر متناہی پر دلالت کرتا ہے پس مقام ختم نبوت جو منتہائی ترقی نبوت ہے ایک مرتبہ غیر متناہیہ ہے جس کو سوائے خداوند عالم اور ولی مطلق و خود صاحب نبوت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کوئی نہیں جان سکتا - ہمارا طائر وہم بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ ہم اپنے قیاسات فاسدہ باطلہ سے اُس کی تعیین کریں اور اُس کی بنا پر خاتم النبیینؐ میں نقص و عیب نکالیں ہم کو اُس کے اقوال سے ایک قدم باہر نہ جانا چاہیئے - بشرطیکہ ہم ایمان رکھتے ہوں اور دل میں خوفِ خدا - یہ مقام ختم نبوت ہے - ہماری مساعی ہمارے خیالات ہمارے تصوّرات اور ہمارے ادراکات یہاں ختم ہوجاتے ہیں دم مارنے کی جگہ نہیں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیئے ؎

سالک شتاب این رہ دین ہست نہ صحرا ہوش دار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

بہر حال خاتم النبیینؐ صاحب نبوت مطلقہ کلیہ ہیں آپ کی نبوت کسی خاص زمانے خاص ملک اور خاص قوم سے مخصوص نہیں بلکہ آپ ہر زمانے میں اور ہر قوم پر نبی ہیں نہ صرف تمام بنی آدم پر بلکہ تمام عالم پر آپ بشیر و نذیر ہیں - جن و انس - ارواح و نفوس ملائک عقول تا دسہ سب آپ کے تحت نبوت ہیں - چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا"

بزرگ و برتر و مبارک ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام عوالم پر نذیر ہو۔ اس کے ذریعہ سے سب پر نبوت کرے اور اُن کو عتاب و عذاب سے ڈرائے۔ ہر ایک نبی اپنی قوم کے لئے نذیر ہوتا ہے لیکن یہ کسی کی شان میں نہیں آیا کہ وہ تمام عوالم پر نذیر ہے۔ نہ صرف عالمِ انسان و جن بلکہ عالم ارواح۔ عالم نفوس عالم مواد۔ عالم ملائکہ و عقول قادسہ۔ چرند و پرند سب تحت نبوت خاتم النبیینؐ ہیں۔ بلکہ انبیاء بھی جیسا کہ آیہ میثاق دال ہے اور خود حضرتؐ نے اسی واسطے فرمایا ہے۔ "آدمُ مَنْ دُوْنَہٗ تحت لوائی یوم القیامۃ" آدم وغیرہ تمام انبیاء روز قیامت میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ اسی واسطے آپ تمام انبیاءؑ پر شہید ہیں جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔ اور یہ مسلّم ہے کہ نبی علم و قدرت میں اپنے مبعوث الیہم سے افضل ہوتا ہے پس بلاشک و لاریب جناب خاتم النبیینؐ صاحب نبوت مطلقہ کلیہ تمام مخلوقات و جملہ عوالم سے افضل و اکمل ہیں اور آپ کی قوت جمیع قوائے عوالم جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ و عزرائیلؑ وغیرہم ملائکہ مقربین و کروبین حاملانِ عرش وغیرہم سے (جو سب آپ کی امت مبعوث الیہم میں داخل ہیں) اکمل ہے۔ اور ہر ایک وجود کو جو فیض مبدء فیاض صانع و خالق عالم سے پہنچتا ہے آپ کے ذریعے و وسیلے سے پہنچتا ہے۔ ملائکہ کے لئے بھی ذریعۂ فیض وہی ذات پاک سرورِ کائنات صلعم ہے پس خداوند عالم رب العالمین و الٰہ العالمین ہے اور اُس کا حبیب رحمۃ للعالمین۔ خدا فرماتا ہے "رحمتی وسعت کلّ شیٔ" یعنی اُس کی رحمت رحمانیہ ہر ایک وجود کو شامل ہے ذرّہ و چیونٹی سے لیکر ہر ایک عالم کی شئے تا ملائکہ مقربین کو اُس کی رحمت و نعمت پہنچتی ہے اور مظہر اوّل اس رحمت واسعہ الٰہیہ کا وجود اقدس ختمی مرتبت ہے اور اسی واسطے اس کو رحمۃ للعالمین کا خطاب عطا ہوا ہے۔ جو کچھ بھی پہنچیگا اُس کے وسیلے سے پہنچیگا۔ پس اگر جبرئیلؑ و میکائیلؑ وغیرہم تحت تعلیم و تربیت خاتم النبیین رحمت للعالمین داخل نہ ہوں تو وہ وجود اقدس انکے لیئے رحمت نہ ہوگا اور اس آیت کی تکذیب ہوگی کہ اُس میں حضرت کو تمام عوالم کے لئے رحمت فرمایا گیا ہے۔ پس لابد جبرائیلؑ و میکائیلؑ تحت تعلیم و تربیت خاتم النبیینؐ مثل دیگر موجودات عوالم داخل ہیں۔ اور جس طرح سے اور موجودات پر آپ نبی ہیں ضرور اُن پر بھی ہیں۔ سابقاً ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت آدمؑ جبرئیلؑ و میکائیلؑ و دیگر جملہ ملائکہ سے افضل اور اُن پر نبی ہیں تو خاتم النبیینؐ صاحب نبوت مطلقہ کیونکر اُن ملائکہ پر نبی نہ ہونگے۔ اگر ایسا ہو اور کوئی فرد موجودات عوالم سے آپ کی نبوت سے خارج ہو تو آپ نبی مطلق نہ ہونگے۔ اور سب پر نذیر نہ کہلائینگے حالانکہ آیہ مبارکہ بالصراحۃ دال ہے۔ کہ آپ جملہ عالمین پر نذیر ہیں خواہ کتنے ہزار عالم فرض کئے جائیں۔ اٹھارہ ہزار عالم کہلائیں یا ستر ہزار۔ اور اسی طرح اگر اس عالم اجسام میں بصورت ظاہری بشری آنے سے پہلے یا عالم اجسام کے وجود سے پہلے آپ کی نبوت تسلیم نہ کی جائے۔ تب بھی آپ "نَذِيرًا لِّلْعَالَمِينَ" نہ کہلائینگے۔

اور یہ خلاف مفہوم آیہ ہے لہذا ضرور آپ ہر زمانے میں نبی تھے +

اور جب یہ مسلّم ہوا کہ آپ تمام عوالم پر نذیر اور جملہ عالمین کے لئے رحمت ہیں اور ہر ایک فیض مبدء فیاض سے آپ ہی کے ذریعہ اور وسیلے سے پہنچا ہے تو ماننا پڑیگا کہ آپ اوّل مکونات و مخلوقات ہیں۔ اور آپ کا وجود نقطۂ دائرۂ امکان۔ لہذا اسیواسطے احادیث متعددہ میں آپ نے فرمایا ہے "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ" یا "اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ رُوْحِیْ" سب سے پہلے جو چیز خدانے پیدا کی وہ میرا نور ہے یا سب سے پہلے جو چیز خدانے پیدا کی وہ میری رُوح ہے۔ اِن دو حدیثوں میں کوئی منافات نہیں ہے۔ جبکہ بشہادت کلام حمید مجید ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کی رُوح عین نور ہے یاد کرو "وَلٰکِنْ جَعَلْنَاہُ نُوْرًا"۔ بلکہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ بقائے ہر موجود نور ہے بلکہ وجود نہیں ہے مگر نور "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"۔ اور آپ اوّل مخلوق و مبدء انوار ہیں اسیواسطے آپ کی شان میں آیا ہے "قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ"۔ لہذا نور الانوار و مبدأ الانوار آپ کی رُوح اقدس ہے اور ہر ایک وجود شعاع نور محمدیؐ خواہ جبرئیل ہو یا میکائیل۔ چنانچہ آئندہ تفصیل آئیگی۔ یہ بھی مسلّم و محقق ہے کہ ہر صاحب کمال اوّل اوّل جو چیز بناتا ہے اس میں کمال صنعت کو کام میں لاتا ہے اور ہر طرح سے مکمل بناتا ہے۔ کیونکہ مصنوع کا کمال صانع کے کمال پر دلالت کرتا ہے اور مصنوع کا نقص صانع کے نقص کی دلیل ہوتا ہے۔ پس چاہیئے کہ اس صانع عالم کا مصنوع جو نفس کمال و عین کمال ہے ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہو۔ تاکہ اُس کے کمال صنعت پر دلالت کرے۔ پس وجود محمدیؐ جو اوّل صادر از مصدر و اوّل مخلوق و مصنوع واجب الوجود بالذات و علیم بالذات و کلیم بالذات و قدیر بالذات ہے۔ یقیناً جملہ مصنوعات سے افضل و اکمل و اشرف و اعلےٰ ہوگا۔ کیونکہ اوّل مظہر صفات کمالیہ جلالیہ جمالیہ و اوّل آئینہ معارف الٰہیہ ہے خصوصاً جبکہ صدور مقام محبت الٰہیہ سے ہو۔ "کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ"۔ (حدیث قدسی) میں ایک خزانہ مخفی تھا۔ مجھے یہ بات محبوب و مطلوب ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوقات کو خلق کیا۔ ہم پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ خلقت انبیاءؑ اولاً بالذات بغرض اظہار کمال ہے کہ ہر صاحب کمال اپنے کمال کو محبوب رکھتا ہے۔ اور اُس کو دیکھ کر مسرور و مبتہج ہوتا ہے اور انبیاءؑ کو اُس نے اپنے لئے اور اپنے کمال کا نمونہ بنایا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اوّل مخلوق مقام محبت الٰہیہ سے کیسا کامل اور نمونہ اعلےٰ کمالات الٰہیہ ہوگا۔ اسیوجہ سے کہ وجود محمدی اوّل مخلوق ہے اور خلقت مقام محبت الٰہیہ سے ہے آپ نے محبوب و حبیب مطلق کا خطاب پایا۔ اگر کوئی اور وجود اُس سے زیادہ محبوب ہوتا تو وہ ہی پہلا مخلوق قرار پاتا۔ ضروری تھا کہ محبوبیت مطلقہ۔ نبوت مطلقہ ولایت مطلقہ خلافت مطلقہ اور امامت مطلقہ کا وارث و مالک مخلوقِ اوّل و صادر اوّل ہی ہو اور وہ ذاتِ پاک محمدی صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے

اور یہی واسطہ اولیہ فیض خداوندی و وسیلہ برکات الٰہی ہے "وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" نعمت علم و یقین۔ ایمان و عرفان بلکہ فیض وجود بھی ہر موجود کو اسی کے وسیلے سے پہنچا ہے اور یہی اول المصنوعین اول المسلمین ہے۔ سب سے پہلے اسی نے توحید خالق و صانع کا اقرار کیا ہے اور باقی جملہ موجودات و مخلوقات نے توحید و تہلیل و تحمید و تمجید و تقدیس و تسبیح اسی سے سیکھی ہے۔ واقعاً اگر اول مخلوقین اول صانع و خالق پر ایمان نہ لاتا تو عالم میں کوئی موجود ایمان نہ لاتا۔ نہ ہر کہ اس کا ایمان لانا بعد خلقت بطور تکلیف تھا بلکہ نفس وجود فطرت ایمانی مخلوق و مفطور ہے۔ وہ عین ایمان و حقیقت اسلام ہے۔ اگر وہ خالی از ایمان و اسلام مخلوق ہوتا۔ تو یقیناً ناقص تھا اور اول مصنوع و مخلوق خالق مطلق و صانع برحق کسی طرح سے ناقص نہیں ہو سکتا۔ پس وہ مخلوق و مفطور ہے اسلام و ایمان پر۔ نہ ہمارے جیسے اسلام و ایمان پر بلکہ اسلام بلا واسطہ نبوتی اور اسلام و ایمان مطلق پر۔ ورنہ مطلق اسلام پر تو ہر ایک مخلوق کو خلق کیا ہے۔ اور توحید فطرت انسان بلکہ فطرت جمیع موجودات میں داخل ہے "فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ" اگر معرفت توحید فطرت انسانیہ میں داخل نہ ہوتی تو ہرگز مکلف بتوحید نہ ہوتے۔ کیونکہ "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" طاقت سے زیادہ خدا کسی کو تکلیف نہیں دیتا بلکہ بقدر وسعت دیتا ہے اور بلا اس کے کہ فطرت میں داخل ہو معرفت واجب ممکن کے لئے قطعاً محال ہے۔ اور تکلیف محال محال ہے۔

غرض آنحضرت کا اسلام اسلام مطلق و اسلام نبوتی ہے اور اسی فطرت پر آپ مخلوق و مفطور ہوئے ہیں اور ہر ایک نے کمال اسلام و ایمان کی تعلیم آپ ہی سے پائی ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے آیات مبارکہ ذیل میں "قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ الخ" (انعام ع ۲) (کہدو اے پیغمبر کہ میں مامور ہوں کہ اول مسلمان ہوں") ایضاً "قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ" کہدو کہ میری نماز میری قربانی میری زندگی میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر میں مامور ہوں اور میں اول المسلمین ہوں۔ ایضاً "قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ" کہدو کہ میں مامور ہوں اس امر پر کہ خدا کی عبادت کروں درانحالیکہ اسی کے دین کو باخلاص اختیار کر کے نیز اصل اور مامور ہوں کہ اول المسلمین ہوں۔ بلا شک و شبہ تمام انبیاء مسلم ہیں اور عند اللہ سوائے اسلام کوئی دین نہیں "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ"۔ لیکن کلام پاک میں جہاں کہیں انکا ذکر ہے وہ اپنے کو مسلمین میں سے فرماتے ہیں "اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" میں بھی مسلمین میں سے ہوں

پس معلوم ہوا کہ مسلمین مطلق موجود تھے اُن میں سے انبیاءؑ اپنے کو محسوب کرتے تھے اور وہ مسلمین مطلق نفوس عالیہ پیغمبرؐ و نائبین کے اہلبیت ہیں (دیکھو کتب اصول احادیث و تفاسیر) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ آلہٖ وسلّم اوّل المسلمین ہیں کسی ملک یا نبی یا رسول کو یہ درجہ نصیب نہیں۔ اور اس اوّل المسلمین سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ اپنی امت میں آپ سب سے پہلے مسلمان ہیں جیسا کہ بعض جاہلوں کا خیال ہے کیونکہ اس معنی میں تو ہر ایک نبی اپنی امت میں پہلا مسلمان ہوتا ہے وہ کونسا نبی ہے جو اپنی اُمت کے بعد اسلام لایا ہوہ لہذا اس اول المسلمین سے اس کے معنے حقیقی مراد ہیں کہ سب سے پہلا وجود ہے جو خدا پر اسلام لایا۔ اور یہ درجہ اوّل مخلوق ہی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ اوّل مخلوق وجود محمدیؐ ہے اس واسطے آپ کے ہی واسطے حکم ہوا کہ کہدو "امرت ان اکون اول المسلمین"۔ پس یہ امر (اُمِرْتُ) میں امر تکلیفی نہیں کہ حضرت کو حکم دیا گیا تھا اور مکلف کئے گئے تھے بلکہ امر تکوینی ہے یعنی "اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ"۔ امر تکوینی اُس کا یہ ہے کہ جب اُس نے کسی چیز کا ارادہ کیا کہا کہ ہو جا پس وہ ہو گئی یعنی ارادہ الٰہی متعلق ہوتے ہی وہ شے فوراً ہو جاتی ہے۔ اور امر تکلیفی یہ ہوتا ہے کہ خدا بندوں کو حکم دیتا ہے کہ فلاں کام کرو۔ اور وہ مختار ہوتے ہیں خواہ بجا لائیں یا نہ لائیں چنانچہ اللہ تعالےٰ سب سے عبادت چاہتا ہے۔ اور اُس کا ارادہ رکھتا ہے لیکن بعض کرتے اور بعض نہیں کرتے۔ لیکن امر تکوینی میں یہ بات ممکن نہیں کہ خدا کسی چیز کی تخلیق و تکوین کا ارادہ کرے اور وہ ہو نہ جائے۔ پس امرت ان اکون اول المسلمین کا یہ مطلب ہے۔ وقت تخلیق و تکوین مجکو اسلام عطا ہوا ہے اور اوّل المسلمین ہوں اسلام میری سرشت و فطرت و خلقت میں داخل ہے۔ یہ بھی خاصہ ختم نبوت سے ہے کہ خاتم النبیّین ہی اوّل المسلمین ہے اور جو کوئی اسلام لایا ہے آپ کے بعد اور آپ کے وسیلے سے۔ آپ اصل اسلام و عین ایمان ہیں۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اصلِ اسلام و عینِ ایمان تا عمر چہل سالگی دولت ایمان سے بے بہرہ محتاج تعلیم جبرئیلؑ تھا؟ "ان ذا المحال"÷

چنانچہ ایک حدیث میں آپؐ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سائل کے جواب میں کہ میں خاتم النبیّین افضل المرسلین اسو جسے ہوں کہ سب سے پہلے اسلام لایا ہوں۔ یعنی اوّل مخلوق و مصنوع باری و اول المسلمین ہوں اوّل مصنوع تمام مصنوعات سے افضل و اکمل و اقویٰ و اشرف و اعلےٰ ہوتا ہے۔ پس منصب ختم نبوت کا سوائے وجود اوّلی کوئی مستحق نہیں اور نہ اور کوئی وجود اس کا متحمل ہو سکتا ہے ÷

بالجملہ مقام ختم نبوت مقام نبوت مطلقہ کلیہ ہے۔ اگرچہ ہر نبی نبی ہی پیدا ہوتا ہے۔ لیکن آپ اُس وقت نبی تھے جبکہ آدمؑ آب و گل ہی تھے۔ اُن کا پتلا بھی نہ بنا تھا یعنی ہر وقت اور ہر زمانے میں۔ کنت

نبیاً وادم بین الماء والطین" میں نبی تھا اُس وقت جبکہ آدمؑ درمیان آب وگل تھے اور آب وگل مخلوط ہوکر ان کا پُتلا نہ بنا تھا۔ بعض جہّال کا یہ خیال ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس وقت سے نبی ہونے والا تھا یا یہ خبر تھی کہ مجھے آئندہ نبی بنایا جائیگا۔ لیکن ادنےٰ تامل سے اس قول کی رکاکت وسخافت معلوم ہوسکتی ہے۔ ڈیڑھ دمڑی کی عقل کا آدمی بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ چہ جائیکہ عاقل وعالم۔ کیونکہ اس معنے کی بنا پر حضرتؐ کے لئے کوئی خصوصیت نہیں ہوسکتی۔ ہر ایک نبی یہی کہہ سکتا ہے کہ وہ اُسی وقت سے نبی ہونیوالا تھا اگر ایسا ہو تو آنحضرتؐ کو کوئی فضیلت اس کہنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہے اور کونسے فخر ومباہات کا مقام ہے حالانکہ جناب قدس نبویؐ فخریہ یہ فرماتے ہیں۔ کہ یہ مرتبہ مجھ ہی کو حاصل ہے اور انبیاءؑ کو حاصل نہیں بعض علماء نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ (دیکھو خصائص کبریٰ)

شیخ تقی الدین السبکی اپنی کتاب (التعظیم والمنہ فی لتومنن بہ ولتنصرنہ) میں فرماتے ہیں کہ اس آیہ میثاق نبیین میں نبیؐ کی وہ عظمت وتوقیر وتعظیم وتکریم ہے جو کسی سے پوشیدہ نہیں اور علاوہ اس تعظیم وتکریم کے اس آیت سے ثابت ہے کہ انبیاءؑ آنحضرتؐ کے زمانے میں موجود ہوتے تو آپ سب پر رسول ہوتے۔ پس آپ کی نبوّت ورسالت عام ہے جمیع خلق کے لئے زمانہ آدمؑ سے لیکر تا زمانہ قیامت اور تمام انبیاءؑ مع اپنی اُمتوں کے آنحضرتؐ کی اُمت میں داخل ہیں کافۃ الناس پر مبعوث ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے زمانے سے تا روز قیامت سب لوگوں پر رسول ہیں بلکہ آپ سے پہلے جو لوگ گذرے ہیں ان سب پر بھی رسول ہیں اور اسی سے حدیث مشہور کنت نبیاً وادم بین الروح والجسد" کے معنے واضح ہوجاتے ہیں کہ آپ اُس وقت سے نبی ہیں جبکہ آدمؑ پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ اور جن لوگوں نے اس حدیث کی یہ تفسیر کی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ خدا علم میں آپ نبی ہونیوالے تھے وہ اس مطلب کو نہیں پہنچے۔ اس لئے کہ علم خدا تو تمام اشیاء پر محیط ہے۔ آپ کی کیا خصوصیت۔ جو کچھ ہونیوالا ہے سب کو خدا پہلے ہی سے جانتا ہے۔ اور آپ کا اس وقت نبوت سے متصف ہونا اس بات کو مقتضی ہے کہ آپ میں اُس وقت یہ وصف ثابت ہو اور اسیواسطے آدمؑ نے آپ کا نام عرش پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا تھا۔ پس ضرور یہ وصف نبوت ورسالت آپکے لئے اسی وقت ثابت تھا۔ اور خدا کے علم میں آپ کا نبی ہونا کچھ آپ کے ہی لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام انبیاءؑ کی نبوت کو خدا جانتا تھا اس وقت بھی اور اس سے پہلے بھی کہ وہ علیم ازلی ہے اور ضرور نبیؐ کیلئے اس کی خصوصیت ہونی چاہیئے جس کی وجہ سے آپ نے اپنی اُمت کو اس کی خبر

دی۔ کہ پہچانیں۔ کہ آپ کی عند اللہ کیا قدر و منزلت ہے اور اس معرفت کا فائدہ ان کو پہنچے۔ پس اگر یہ کہا
جائے کہ نبوت ایک وصف ہے اور وصف کے لئے ضروری ہے کہ موصوف موجود ہو اور یہ بات چالیس
سال کی عمر میں حاصل ہوئی۔ پس کیونکر وہ قبل وجود و قبل ارسال نبی و رسول ہو گئے اور اگر یہ بات صحیح ہے تو یہ
غیر بھی صادق آسکتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ثابت ہے کہ ارواح کو خدا نے اجسام سے پہلے خلق کیا
ہے۔ پس "کُنْتُ نَبِیًّا" سے آپ کی رُوح یا آپ کی حقیقت اصلیہ کی طرف اشارہ ہے اور حقائق
کی معرفت سے ہماری عقول قاصر و عاجز ہیں۔ ان کو خدا جانتا ہے یا جس کو اُس نے خود عطا کیا ہے
اور ان حقائق میں سے جس حقیقت کو خدا جو چاہتا ہے دیتا ہے۔ پس حقیقت نبی کو قبل آدمؑ خدا نے نبوت
عطا کر دی ہو اور وہ اس وقت نبی ہو گئے ہوں۔ پس حقیقت آپ کی اُس وقت موجود تھی اور متصف
برسالت و نبوت تھی اگرچہ جسد شریف بعد میں دیا گیا۔ پس حقیقت آپ کی اُس وقت سے متصف
بالنبوۃ تھی۔ اور وہ مقدم ہے۔ اور مؤخر صرف بعثت و تبلیغ ہے (وہ بھی اس عالم میں) اور وہ تمام
اوصاف جو منجانب اللہ بحیثیت اہلیت و استحقاق ذات و حقیقت پیغمبری تھے وہ سب اُسی وقت
حاصل تھے ان میں تاخیر نہیں۔ اور اسی طرح سے کتاب و حکم نبوت کا عطا کرنا اُسی وقت سے ہے۔
اور متاخر جو ہے وہ آپ کا وجود جسمانی اور ظہور ظاہری ہے۔ اور آپ کے علاوہ دیگر اس وقت
متصف بوصف نبوت و رسالت نہ تھے۔ .... جب یہ پہچان لیا تو پس نبیؐ
نبی الانبیاء سب نبیوں کا نبی ہے۔ اسی واسطے قیامت میں تمام انبیاء آپ کے علم کے نیچے ہوں گے
اور شب معراج سب نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انتہی موضع الحاجۃ۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ نبی اور
اصل روح نبوتی ہی ہے نہ جسم۔ لہذا نبوت اِس عالم جسمانی پر موقوف نہیں آپ جس طرح علم و حکمت
پر مفطور ہوئے تھے اسی طرح اسی وقت سے وصف نبوت سے بھی متصف تھے اور بحکم آیہ شریفہ
آپ تمام عوالم پر نذیر ہیں نہ صرف بنی نوع انسان پر۔ اور نبوت آپ کی نبوت مطلقہ کلیہ ہے۔

ولایت مطلقہ

تمام انبیاء خلیفہ خدا ہیں مگر آپ خلیفہ مطلق کہ سب خلفاء آپ کے ماتحت ہیں
تمام انبیاء اولیاء اللہ ہیں مگر آپ ولی مطلق کہ جملہ اولیاء اللہ بلکہ جملہ مدبرات
امر آپ کے تحت تصرف میں ہیں چنانچہ ولایت مطلقہ اولیہ ذاتیہ خداوند عالم خالق و صانع برحق کیواسطے
ہے کہ فرماتا ہے۔ "اَللّٰہُ ھُوَ الْوَلِیُّ" (اللہ ہی ولی برحق و متصرف مطلق ہے) اور بعد ازاں ولایت مطلقہ
ثانیاً بالعرض آنحضرتؐ کیواسطے اور اُن کے اہلبیتؑ کیواسطے چنانچہ بطور حصر خدا فرماتا ہے "اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ
اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ" سورہ

اِس کے نہیں ہے کہ ولی تمہارا اللہ ہے اور اُس کا رسولؐ اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ پس ولی مطلق تین ہیں۔ اللہ۔ رسولؐ اللہ اور اہلبیتؑ نبوت و رسالت۔ اور چونکہ ولی متصرف تین ہیں۔ اطاعت مطلق بھی تین ہی کیواسطے ہے۔ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" اطاعت کرو خدا اور اطاعت کرو اُس کے رسول اور اولی الامر کی۔ پس اولی الامر وہ ولی اللہ مطلق ہے جس کی اطاعت مثل اطاعت پیغمبرؐ واجب ہے اور اُس کا ترک کفر۔

تمام انبیاء کلمۃ اللہ ہیں۔ "وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰہَا اِلٰی مَرْیَمَ الخ" حضرت عیسٰی کی شان میں آیا ہے۔ مگر آپ کلمۂ علیا ہیں "کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا"۔ اس بحث کو البرہان میں مفصل لکھ چکے ہیں تفصیل اس کی وہاں سے دیکھو۔ تمام امثال اللہ نمونہ صفات کمالیہ الٰہیہ ہیں۔ لیکن آپ نمونۂ بزرگ اور اعلےٰ "وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی"۔ تمام انبیاء اپنی اُمت کے لئے رحمت خدا ہیں۔ مگر آپ کا وجود رحمت للعالمین "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ"۔ تمام انبیاء مرسلین اپنی اُمت پر نذیر ہوئے ہیں۔ مگر آپ تمام عوالم پر نذیر ہیں "لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا"۔ تمام مرسلین ایک قوم ایک ملک پر مبعوث ہوئے تھے اور آپ جنس ناس پر مبعوث۔ حتیٰ کہ آدمؑ بھی اس میں داخل "وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ" بلکہ تمام عوالم یعنی ماسوی اللہ پر کما بیناہ آنفاً)۔

معنی شہید

جملہ انبیاء مرسلین اپنی امت پر شہید ہوتے ہیں۔ چنانچہ عیسٰی کی زبانی ہے۔ "کُنْتُ شَھِیْدًا عَلَیْھِمْ مَّا دُمْتُ فِیْھِمْ" جب تک میں اپنی امت میں رہا ان پر شہید رہا۔ لیکن ہمارے مولا و آقا سید المرسلین و خاتم النبیین و اوّل المسلمین تمام پر شہید یعنی تمام انبیاء پر بھی شہید ہیں اور ہونا چاہئے۔ کیونکہ نذیر للعالمین و رحمت للعالمین ہیں۔ اس کی خداوند عالم خبر دیتا ہے۔ "فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا" اے پیغمبرؐ اُس دن لوگوں کا کیسا حال ہوگا۔ جبکہ ہم ہر اُمت کے شہید کو بلائینگے اور تجھ کو اے حبیب سارے شہیدوں پر شہید لائینگے۔ پس یہ بھی صفت ختم نبوت ہے کہ حضرتؐ گو عالم ظاہری میں حضرت آدمؑ کے بعد میں آئے ہیں اور آپ کی اولاد میں ہیں۔ لیکن اُن پر شہید ہیں۔ "آدم و من دونہ تحت لوائی یوم القیامۃ" سب آپ کے ماتحت ہونگے۔ اور آپ سب پر شہید۔ و نعم ما قال ؎

انی و ان کنت ابن آدم صورۃ   فلی فیہ معنیً شاھد بابوتی

شہید و شاہد میں فرق ہے۔ شاہد اسم فاعل ہے اور شہید صفت مشبہ جو دلالت کرتی ہے ثبوت و قیام صفت پر۔ پس شاہد تو وہ ہے جو کسی واقعہ کے وقوع کی شہادت دے۔ یعنی اُس کے وقوع سے

واقف ہو خواہ خود مشاہدہ کیا ہو یا اُس کو کسی اور ذریعہ سے علم ہو گیا ہو۔ جیسا کہ "مَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا" قول برادرانِ یوسفؑ ہے کہ ہم نے نہیں شہادت دی مگر وہی جس کا ہم کو علم ہوا تھا۔ اور شہید وہ ہے جو اس پر حاضر و ناظر ہو۔ چنانچہ اثباتِ زنا میں چار شاہدوں کی شہادت کافی نہیں یعنی علمی سماعی شہادت سے زنا ثابت نہیں بلکہ شہید چاہئیں جو واقعہ پر حاضر ہوں۔ اور اُنہوں نے آلہ مرد کو فرج عورت میں داخل ہوتے اور نکلتے اس طرح دیکھا ہو جیسے سلائی سُرمہ دانی میں۔ چنانچہ قرآن میں شُهَدَاءَ ہی آیا ہے جو شہید کی جمع ہے اور شاہد کی جمع شہود آتی ہے۔ "وَلَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ" جب تک چار شہید نہ شہادت دیں زنا ثابت نہیں ہو سکتا۔ سبحان اللہ کیا رحمت خدا ہے۔ کیسا ستار العیوب ہے۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ"۔ اسیواسطے شہید ہونا اول بالذات صفت خالقِ عالم ہے۔ کہ وہ ہر جگہ اور ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے۔ کوئی چیز خواہ کہیں ہو۔ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ غیب میں ہو یا شہود میں۔ تاریکی میں ہو یا روشنی میں۔ اُس سے چھپی ہوئی نہیں۔ اور ثانیاً و بالعرض پیغمبرؐ کی صفت ہے اور ہر پیغمبر اپنی اُمت پر شہید ہوتا ہے اور اُن کے اعمال و افعال پر حاضر و ناظر۔ اور اسیواسطے وہ اُن کے اعمال و افعال کی روزِ قیامت شہادت دیگا اور شہید ہو کر آئیگا۔ "جَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَّشَهِيْدٌ" (ہر ایک نفس کے ساتھ اُس کو کھینچنے والا دعمل) اور اُس کا شاہد بنی ہو گا) اور ہمارے پیغمبرؐ تمام انبیاء پر شہید ہیں۔ اور سب لوگوں کے اعمال و افعال پر حاضر و ناظر ہیں اُن کو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں اسی مضمون کی تصریح و توضیح ہے "وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ"۔ کہدو اے پیغمبرؐ کہ عمل کرو پس ہمیشہ دیکھتا ہے خدا تمہارے اعمال کو اور اُس کا رسولؐ اور ایک گروہ مومنین اور تم پھر لوٹائے جاؤ گے خداوند عالم الغیب والشہادۃ کی طرف پس وہ خبر دیگا تم کو جو کچھ کہ تم نے کیا ہے" پس اول و بالذات اعمالِ عباد کو دیکھنے والا خداوند عالم ہے اور ثانیاً و بالعرض اُس کا پیغمبرؐ اور وہ گروہ مومنین جو مثل پیغمبرؐ شہید ہیں یعنی امت وسط۔ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا"۔ اسی طرح سے مثل انبیاءؑ ہم نے تم کو وسط یعنی عین اعتدالِ خَلقی و خُلقی و ذاتی و صفاتی میں پیدا کیا ہے تاکہ تم تمام لوگوں کے اعمال پر شہید رہو اور رسول تم پر شہید ہو۔ اور یہ اُمت وسط جو مثل پیغمبرؐ شہید ہے وہی اولیاء اللہ مطلق و اولی الامر برحق یعنی اہلبیت نبوت و رسالت ہیں۔ بہر حال ایک خاصہ ختم نبوت یہ ہے کہ خاتم النبیین سب پر شہید ہے اور سب کے اعمال کو دیکھتا ہے اور شہید کے لئے خواب بیداری مساوی ہے جس طرح بیداری میں شہید ہوتا ہے اسی طرح سونے کی حالت میں بھی

شہید ہوتا ہے حالانکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ شہید ہی نہیں کہلا سکتا۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو سونے کی حالت میں جو اعمال عباد
سے سرزد ہونگے ان کی اُس کو کچھ خبر نہ ہو گی اور وہ اُن کی بابت کچھ شہادت نہ دے سکیگا پس شہید ہونا
اس مطلب پر اور بھی بہت سی آیات دال ہیں۔ اور بعض احادیث میں بھی اس کی تصریح موجود ہے
چنانچہ ام المومنین عائشہؓ سے منقول ہے (بخاری) کہ حضرت خواب سے بیدار ہو کر فوراً بلا تجدید وضو نماز میں مشغول
ہو گئے۔ اُم المومنین نے اعتراض کیا۔ جواب میں فرمایا "تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ" میری آنکھ سوتی ہے
میرا دل نہیں سوتا یعنی میرے اوپر غفلت طاری نہیں ہوتی کہ ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائیں۔ اعمال عباد کی خبر
نہ رہے۔ اسی لئے آپ میں یہ بھی خاصہ تھا کہ آپ پیچھے سے اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح آگے سے۔ چنانچہ مروی
ہے۔ (بخاری) کہ فرمایا تَسَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَلَا تَسْبِقُوْنِيْ بِالرُّكُوْعِ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرَاكُمْ مِنْ قُدَّامِيْ۔
جماعت کے بعض لوگ رکوع میں آپ سے پہلے چلے جاتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اپنی صفوں کو درست کرو اور رکوع
میں مجھ پر سبقت نہ کرو۔ کیونکہ میں پیچھے سے بھی ایسے دیکھتا ہوں جس طرح کہ آگے سے۔ اور عرض کر چکے ہیں کہ روح قدس
نبوتی پر سہو و نسیان و غفلت و ذہول طاری نہیں ہوتے۔ اگر یہ وصف نہ ہو تو ہرگز شہید نہ ہوں۔ بہرحال پیغمبر اعمال
عباد کو دیکھتا ہے اور اُن پر احاطہ رکھتا ہے۔ اور سب اُسکے سامنے روشن و ہویدا اور اسی طرح اُس کے اہلبیتؑ۔
کہ فرماتے ہیں "لَا يَعْزُبُ عَنَّا شَيْءٌ" ہم سے کچھ پوشیدہ نہیں اور اس رویت سے رویت مجازی ہرگز مراد نہیں۔ اور بطور
استعارہ نہیں کہا گیا۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو پھر کہنا پڑیگا کہ خدا بھی اعمال عباد کو نہیں دیکھتا ہے۔ کیونکہ آیہ مبارکہ
فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ ۔۔۔ میں دو سوا نہیں لفظ رویت مکرر استعمال نہیں ہوا۔ جو اختلاف معنی پر دلالت کرے البتہ
تقدم اللہ و نیز تقدم معمول رویت دلالت کرتا ہے کہ خدا بالذات حاضر و ناظر ہے اور اعمال کو دیکھتا ہے اور پیغمبر
ثانیاً و بالعرض خدا کے ذریعہ سے اور اُس کی دی ہوئی قوت سے رہا یہ امر کہ پیغمبر و امام کس طرح تمام اعمال عباد
کو دیکھتے ہیں اور اُس کی کیفیت واقعیہ کا ادراک یہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ ہر ایک شے اپنے ماتحت
یا مساوی کو احاطہ و ادراک کر سکتی ہے نہ مافوق کو۔ پس ہم جبکہ اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے تو روح نبوتی
کے ادراک و احساس کی کیفیت کیونکر معلوم کر سکتے ہیں خصوصاً مقام ختم نبوت جس پر کسی ممکن کو احاطہ ممکن نہیں وہ
کیسے ہمارے حیطۂ ادراک و احساس میں آ سکتا ہے جو آنکھ عرش اعظم الٰہی پر تجلیات انوار الٰہیہ سے خیرہ نہ ہو
اور اُن کی حقیقت کو دیکھ لے اُس کی قوت کا ہم کیا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ منتہائے ترقی ممکنات
ہے علماً و عملاً اور اس سے فوق جبکہ انوار الٰہیہ اُس کو احاطہ کئے ہوئے چشم پیغمبری سے دیکھا تو ظاہر
ہے تمام عالم امکان اس کے تحت ہے یقیناً اس پر احاطہ کر سکتا ہے اور وہ اول مخلوق ہے اور اول مخلوق قوی تر
ہوتا ہے جمیع مخلوقات سے لہٰذا اس میں تعجب کرنا جہالت ہے اور اُس سے انکار ضلالت۔ قیاس کو یہاں

دخل نہیں کہ کہا جائے پیغمبرؐ جو پیچھے سے دیکھتا ہے تو شاید ایک تیسری آنکھ اُس کی گدی میں لگی ہوئی ہوگی۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نور ہے "قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ" تحقیق تمہاری پاس من جانب اللہ ایک نور آیا ہے اور کتاب روشن۔ روح اس کی عین نور بلکہ حقیقت علیہ نوریہ ہے اور جسم اس کا نورانی اس کے تمام جسم میں وہی قوت نورانی موجود ہے جو انسان کی آنکھ کے پردہ جلیدیہ میں ہوتی ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ نورِ عالم ہے عالم امکان اُس سے روشن ہے "يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا" وہ شمع ہدایت و آفتاب عالم امکان ہے سب چیزیں اُس سے روشن ہیں اس نور کی حقیقت معلوم کرنیکے لئے پڑھئے آیہ نور اور اُس میں تدبر کیجئے۔ یہ نور جس وقت مقام ظہور میں آئیگا اُس وقت دیکھئے کہ آفتاب و ماہتاب کی روشنی بیکار ہوجائیگی یعنی زمانہ ظہور امام زمان عجل اللہ فرجہ "وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا" زمین رب الارض کے نور سے روشن ہوجائیگی کہ کہیں تاریکی باقی نہ رہے گی افسوس ہے کہ یہ مقام اس کی تفصیل کی گنجائش نہیں رکھتا ورنہ ابھی بہت کچھ لکھنا تھا۔ اور تمام عمر بھی اگر انسان لکھے جائے تو مقام ختم نبوت کو کیا بیان کرسکتا۔ یہ احاطہ عقول سے بالا ہے۔ بہت اچھا کہا ہے شاعر نے خدا رحمت کرے۔ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"

پس ہم اسی پر ختم کرتے ہیں کہ اس وجود اقدس واکرم سے افضل واکمل واشرف واقویٰ واعلےٰ کوئی وجود نہیں۔ تمام قویٰ اسکے تحت ہیں بقاء ہر موجود ملکوت پر ہے اور وہ ہی باطن کون ہے اور خدا فرماتا ہے۔ "وَبِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ" "بیدالہیٰ ہر شے کا ملکوت ہے" اور آیہ مبایعت "إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ" سے ثابت ہے کہ اول ید الہٰ پیغمبر ہے پس ملکوت جمیع اشیاء اسکے تحت اور قبضے میں ہیں وہ ہی مرکز ہے تمام ملکوت کا۔ اسلئے کوئی شے اس پر غالب و مؤثر نہیں ہوسکتی۔ وہ فرش سے عرش تک چشم زدن میں جاسکتا ہے نہ آتش اس پر غالب آسکتی ہے نہ ہوا اور نہ برودت و حرارت کیونکہ سب کا مخزن وہ ہے۔ وہ روح مجسد و جسم مروّح نور علیٰ نور ہے "يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ"

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْهُدَاةِ الْمَعْصُوْمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

امامت مطلقہ

امامت صغریٰ وکبریٰ

امام مشتق ہے (اَمَّ يَأُمُّ) سے پس امام از روئے لغت "مَنْ يُؤْتَمُّ بِهِ" یعنی پیشرو و پیشوا جس کی پیروی و اقتداء کی جائے امامت کی دو قسمیں ہیں ایک امامت صغریٰ دوسری امامت کبریٰ صاحب امامت صغریٰ امام جمعہ و جماعت کہلاتا ہے جس کو ہم عام طور پر پیش نماز یا پیش امام

کہتے ہیں لیکن یہ امام پیشوائے دین و دنیا نہیں ہے۔ پیشوائے دین صاحب امامت کبریٰ ہے جس کی بحث یہاں مقصود ہے اور وہ وہ ہے جس کی لوگ امور دین میں پیروی کریں پس ہر فرقے اور ہر شخص کا امام اُس کا وہ پیشوا ہے جس کی وہ پیروی و اقتداء کرتا ہے۔ خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر۔ اور ایسا امام یعنی پیشوا ہر ایک فرقہ اور ہر ایک شخص رکھتا ہے اور اُس فرقے یا شخص کے اعمال اس کی طرف منتہی ہوتے ہیں پس اُسی امام کے ساتھ اُس کا حشر و نشر ہوگا اور ہر شخص روز قیامت اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائیگا۔ "یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ" (جس دن ہر شخص کو ہم اُس کے امام کے ساتھ بلائینگے) پس جہاں جس کا امام جائیگا وہ لوگ بھی جائینگے اگر وہ امام سچا ہے تو داخل بہشت ہوگا اور اُسکے ساتھ اُسکے مقتدی اور جھوٹا ہے تو داخل جہنم ہوگا اور اُسکے ہمراہ اُسکے پیرو۔ "ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم" (نیکوں کی جگہ بہشت ہے اور فاسق و فاجروں کی جہنم) پس امام حق و پیشوائے برحق وہ ہے جو بحکم خدا و ہدایت الٰہی بندگان خدا کو اُسکے رستے کی طرف بلاتا ہے اور من جانب اللہ اس غرض کے لئے آتا ہے۔ خدا کا حکم پہنچاتا ہے اور اپنی رائے کو کسی امر میں دخل نہیں دیتا۔ اور امام باطل و جھوٹا پیشوا وہ ہے جس کو خدا نے اس کام کے لئے پیدا نہیں کیا۔ وہ خود ایک مسند پر بیٹھ گیا ہے لوگوں کو گرد جمع کر لیا اور مرید بنا لئے ایک مجمع یا جماعت نے اُسکو مان لیا ہے اور جو کچھ اُسکے دل میں آتا ہے لوگوں سے کرواتا ہے اور اُس کی غرض محض تحصیل عز و جاہ دنیا و دولت و ثروت ہوتی ہے یہی ایسا پیشوا و امام ہے جو اپنے پیروؤں کو جہنم کی طرف لئے جاتا ہے اور چونکہ اس کی بازگشت جہنم ہے اسلئے اسکے مقتدی جنہوں نے اسکے اقوال و افعال کی اقتدا کی ہے اور اُسکے قدم بقدم چلے ہیں۔ وہ بھی جہنمی ہونگے۔

امام حق و امام باطل

اُن دو قسم کے اماموں کا قرآن میں ذکر ہے۔ یعنی ایک امام ہادی برحق دوسرا امام مضل مطلق۔ چنانچہ خداوند عالم قسم اوّل کے اماموں کی نسبت فرماتا ہے وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۔ (سورہ انبیاء ع ۵) اور ہم نے اُن کو امام بنایا ہے وہ ہمارے امر و حکم کے موافق ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے اُن کو تمام افعال خیر کے بجا لانے اور نماز کو قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنیکی وحی کی ہے وہ ہماری عبادت کرتے تھے۔ غیر خدا کے آگے سجدہ کو سر نہیں جھکایا۔ نیز (سورہ سجدہ ع ۲) میں فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ۔ یعنی اور بعض کو ہم نے اُن میں سے امام بنایا ہے کہ وہ ہمارے امر سے ہدایت کرتے ہیں جبکہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے شک کرنے والے نہ تھے۔ پس یہ امام حق ہیں اور انکی صفت یہ ہے کہ یہ من جانب اللہ ہیں اور اُسی کے حکم سے ہدایت کرتے ہیں

اور اُن کو افعال خیر اور اقامہ صلوۃ اور ایتاء زکوۃ کی وحی کی گئی ہے پس اس وحی کے مطابق لوگوں کو یہ امور تعلیم دیتے ہیں۔ اور وحی شرط امامت ہے اور ایک صفت اُن کی صبر ہے۔ کہ یہ صابر ہیں کیسی ہی اُن کو تکلیف ہو کیسی ہی مصیبت پڑے ان کا قدم صبر و استقلال کبھی نہیں ڈگمگاتا اور جب تک حکم خدا نہ ہو کچھ نہیں کرتے۔ اگر بولنے اور ظاہر کرنے کا حکم تمام عمر نہ ہو تو ہمیشہ خاموش رہینگے اور صبر کرینگے بولینگے تو حکم خدا سے خاموش رہینگے تو امر الہی سے۔ لڑینگے تو باذن خدا اور جنگ سے باز رہینگے تو بامر خدا اور یہ صفت انبیاء علیہم السلام کی ہے چنانچہ سورہ انبیاء کی آیت صریح انبیاء علیہ السلام ہی کے باب میں ہے: و ہُم انہی کی طرف راجع ہے مثل حضرت اسحٰق و یعقوب وغیرھما۔ دوسری قسم کے امام یعنی امام مُضل یہ ہیں۔ وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ لَا يُنْصَرُونَ (سورہ قصص ع) ہم نے اُنکو امام بنایا ہے کہ وہ آتش جہنم کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور روز قیامت اُن کی نصرت و یاری نہ کیجائیگی پہلا آیت اولیہ میں جعل جعل اولی ہے اور اس آیت میں جعل ثانوی۔ یہ اُنکے عملوں کا نتیجہ ہے اور چونکہ مؤثر حقیقی خدا ہے اسلئے اپنی طرف نسبت دی مثلاً ختم اللہ علی قلوبھم فافہم ولا تغفل) پس یہ وہ امام ہیں جو خلاف حکم خدا دعوی دیتے ہیں اور اپنی لئے پر عمل کرتے ہیں نہ امر الہی پر کیونکہ امر الہی انکو نہیں پہنچا اور وحی نہیں کی گئی یہ وہی لوگ ہیں جو خود بخود امام بن بیٹھے ہیں اور کسی مسند یا گدی کے مالک ہو گئے اور مرید اکٹھے کر لئے۔ یا کسی مجمع نے بنالیا غرض امام برحق وہی ہے جو بحکم الہی ہدایت کرتا ہے اور مطابق وحی الہی لوگوں کو احکام پہنچاتا ہے۔ اور صبر اُس کی صفت خاص ہے اور وحی شرط۔

امامت جزئیہ و کلیہ

پھر یہ امامت بھی دو قسم کی ہے جزئیہ و کلیہ مطلقہ: انبیاء و مرسلین علیہم السلام اپنی اپنی امت کے امام و پیشوا ہیں جیسا کہ آیت مذکورۃ الصدر سے ثابت ہے مگر یہ تمام لوگوں پر امام نہیں تھے۔ جناب شجرۃ الانبیاء ابراہیم خلیل اللہ سے ایک اور امامت خاصہ شروع ہوئی۔ اور یہ امامت اونکو بعد طے کرنے مراتب نبوت۔ رسالت و خلت اور امتحان الہی میں کامیاب ہو جانیکے عطا ہوئی چنانچہ خدا خبر دیتا ہے۔ إِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ۔ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا۔ یعنی جب ابراہیم سے پروردگار نے کچھ کلمات وجودیہ سے اُن کا امتحان لیا اور اُنہوں نے اُن کلمات کو پورا کر دیا اور کامیاب ہو گئے تو خدا نے کہا تحقیق کہ میں تجھ کو تمام لوگوں کا امام و پیشوا بنانے والا ہوں۔ یہاں للناس فرماتا ہے اور "ناس" اسم جنس ہے۔ شامل ہے تمام افراد قلیل و کثیر کو اور پھر الف لام تعریف بھی داخل ہے جو عموم و شمول پر دال ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ تمام جنس ناس یعنی تمام بنی آدم کا امام بنانے والا ہوں پس امامت عام ہوئی خاص ایک قوم یا ایک امت کے لئے نہ ہوئی۔ اور حضرت ابراہیمؑ

تمام لوگوں کے امام ہوئے۔

بلحاظ مراتب علمیہ یہ امامت حضرت ابراہیمؑ کو کب حاصل ہوئی؟ جبکہ وہ مراتب علمیہ میں مقام اسماء و مسمیات و مفاہیم و معانی سے گذر کر مقام حقایق و بواطن پر فائز ہو گئے۔ یعنی اُن کو ملکوت زمین و آسمان دکھا دی گئیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ وَكَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ پس معلوم ہوا کہ یہ امامت بلا اطلاع و احاطہ بر حقایق اشیاء حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس امام کا حقایق و ذوات عالم سے تعلق ہوتا ہے۔ روایات صحیحہ میں مذکور ہے۔ اور آیات شہادت دیتی ہیں کہ جس وقت خانہ کعبہ کو حضرت خلیل اللہؑ مکمل کر چکے تو حکم الٰہی پہنچا۔ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ (سورہ حج ع) اے ابراہیم پاک کر دے میرے گھر کو طواف کرنے والوں اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود بجا لانے والوں کیلئے اور آواز دے تمام لوگوں کو حج کے لئے وہ آئینگے تیرے پاس پیادہ اور لاغر سواریوں پر سوار ہو کر جو ہر ایک بہت دور دراز زمین سے آئینگے۔ یعنی دور دور سے لوگ یہاں آئینگے۔ اس آیت میں بھی "الناس" آیا ہے تمام جنس بشر و نبی بنی آدم کو آواز دے کہ وہ حج بیت اللہ کو آئیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ یہ آواز تمام لوگوں کو مکہ معظمہ میں حضرت ابراہیمؑ نے کسی طرح دی اور کس کو بلایا وہاں تو کوئی آبادی نہ تھی صرف آپ ہی حضرت اسمٰعیل اور حضرت ہاجرہ اُن کی والدہ کو لیکر یہاں آئے تھے اور انکو یہاں سکونت پذیر کیا تھا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ رَبَّنَاۤ اِنِّىْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِىْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِىْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِىْۤ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ (سورہ ابراہیم ع) اے پروردگار میں نے اپنی بعض ذریت (اشارہ ہے اسمٰعیل کی طرف) کو یہاں بے زراعت وادی میں تیرے خانہ محترم کے پاس مقیم کیا ہے۔ اے پروردگار اسلئے کہ وہ نماز کو قائم کریں۔ پس کچھ لوگوں کے دل انکی طرف مائل کر اور انکو ثمرات عطا کر تاکہ وہ تیرا شکریہ بجا لائیں۔ پھر آواز کس کو دی؟ آواز دی اور تمام لوگوں نے سُنی تمام ارواح نے سُنی۔ نطفوں نے شکمہائے مادر میں سُنی اور لکھا ہے بلکہ نطفوں اور ارواح نے عالم برزخی دہری میں سُنی جس نے یا جسکی روح نے آواز ابراہیمؑ پر لبیک کہا اور قبول کیا وہ ہی حج کو جاتا ہے اور جس نے لبیک نہیں کہا وہ نہیں جا سکتا اور اسی واسطے حکم ہے کہ حاجی جب احرام باندھکر حج کیواسطے روانہ ہوں تو لبیک لبیک اللّٰھم لبیک کہیں۔ یہ ہے آواز امام۔ اگر آواز امام کی اور توضیح سُنی ہے تو ملاحظہ ہو استغاثہ امام روز عاشورا اور ابکان ذرات عالم امکان کا انقلاب و اضطراب جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس امام کو تمام عالم امکان سے تعلق تھا۔ بلکہ وہ روح و قلب عالم ہے اور جب تک کہ احاطہ و اطلاع بر حقایق و ملکوت

انبیاء پیدا نہ ہوا امام نہیں ہوتا۔ اور یہی وہ امامت ہے جو افضل ہے نبوت ورسالت سے۔ اور بعد نبوت ورسالت وخلت جناب ابراہیمؑ کو حاصل ہوئی۔ اور یہ امامت ہے جو اور انبیاءؑ کو حاصل نہ تھی اسلئے شجرۃ الانبیاء جناب ابراہیمؑ دیگر تمام انبیاء سابقین سے افضل ہیں حضرت ابراہیمؑ کا یہ مرتبہ اور یہ دولت ونعمت عظمیٰ الیہ انہی تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے خواہش کی ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ آپ کی نسل میں قائم و باقی رہے اور آپ کی ذریت میں سے بھی امام ہوں۔ چنانچہ جب یہ بشارت آپ کو دی گئی کہ "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" (میں تجھ کو سب کا امام بنانے والا ہوں) تو فوراً آپ نے عرض کیا "وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ" یعنی اے پروردگار کیا میری ذریت میں سے بھی بعض نفوس اسکے مستحق ہونگے؟ جواب ملا "لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ" یہ عہد امامت ظالمین کو نہیں پہنچ سکتا محقق ہے کہ ظلم گناہ کو کہتے ہیں اور ہر ایک گناہ ظلم ہے خواہ اپنے نفس پر ہو یا غیر پر۔ کیونکہ ظلم کے معنی "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِہٖ" "کسی شے کو اوسکے خلاف جگہ میں رکھنا اور کرنا" پس ہر گناہ ظلم ہے۔ اور شرک چونکہ سب سے بڑا گناہ ہے اس لئے وہ سب سے بڑا ظلم ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ" تحقیق کہ شرک بہت بڑا گناہ ہے۔ لہذا ظالمین مشرکین۔ کافرین منافقین اور فاسقین و فاجرین ہوئے۔ اور مطلب جواب الٰہی کا یہ ہے کہ اے ابراہیمؑ بیشک تمہاری ذریت کے واسطے بھی یہ مرتبہ امامت ہے لیکن سب کے لئے نہیں بلکہ اُن لوگوں کے واسطے ہے جو نہ مشرک ہوں نہ کافر نہ منافق اور نہ فاسق وفاجر کسی قسم کا ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو۔

عہد امامت کی تصریح

لفظ عہد فرماکر چند عظیم الشان امور کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور اسی واسطے یہ نہیں فرمایا کہ امامت ظالموں کو نہ ملیگی یا ظالم امام نہ ہونگے بلکہ فرمایا کہ یہ میرا عہد (امامت) ظالمین کو نہ پہنچے گا۔ پس ایک امر تو یہ ہے یہ امامت عہد ہے۔ اور اسکے مستحق خاص معہود ومعین اشخاص ہیں جو ہمیشہ سے معہود وبعہد الٰہی ہیں۔ نہ یہ شوریٰ سے کسی کو مل سکتا ہے نہ اجماع سے نہ غلبہ سے۔ دوسرا امر یہ ہے کہ ظالمین کے معنی کیطرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اسکے مستحق گنہگار نہیں ہیں بلکہ وہ معصوم ہیں۔ جیسا کہ معنی عہد الٰہی ولالت کرتے ہیں۔ خدا فرماتا ہے۔ "اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ" یعنی اے بنی آدم کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا ہے کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا لہذا ثابت ہوا کہ جو کسی معمولی سی بات اور چھوٹے سے امر میں بھی شیطان کی پیروی کرے وہ عہد الٰہی سے خارج ہے۔ وہ عہد پر قائم نہیں رہا۔ پورے طور پر عہد پر قائم وہ شخص ہے جو ہر ایک گناہ سے محفوظ یعنی معصوم مطلق ہو۔ پس صاحبان عہد امامت بنص آیات قرآن معصوم مطلق ہیں جن سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو بلکہ گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا ہو کیونکہ ارادہ قبیح بھی قبیح ہے۔ بلکہ اگر درحقیقت شیطان کی پیروی

دی ہو مگر بظاہر ایسا ہو تب بھی وہ کامل پابند عہد الٰہی نہیں جیسا کہ آدم کہ اُن سے ترک اولیٰ سرزد ہوگیا تھا تو خدا نے اُن کی نسبت فرمایا۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۔ یعنی اے بنی آدم تم سے پہلے ہم نے آدم سے عہد لیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اس سے ہوشیار رہنا پس انہوں نے اس کو ترک کیا اور ہم نے اُنکے لئے عزم نہ پایا یعنی آدم قائم تو رہے عہد پر مگر عزم بالجزم کے ساتھ نہیں ترک اولیٰ اُن سے ہُوا اگرچہ گنہگار نہ ہوئے[1]۔ اور اسی وجہ سے آدم انبیاء اولوالعزم میں داخل نہیں ہیں۔ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۔ یہی لوگ جو مطلق عہد الٰہی کے مالک و وارث ہیں روز قیامت میں شفاعت مطلقہ کے مالک ہونگے اور شفعاء کی شفاعت باذن اللہ اور جزئی ہوگی اور یہ مالک شفاعت ہونگے یعنی جب تک اپنے دوستوں کی شفاعت نہ فرمائیں دوسرے شفیعوں کو اُس وقت تک اذن شفاعت من جانب اللہ عطا نہ ہوگا۔ (قال عز من قائلہ) لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۔ یعنی اُس دن مالک شفاعت نہ ہونگے مگر وہ لوگ جنہوں نے عہد الٰہی لے لیا ہے۔ پس اس عہد کے مستحق اور امامت ابراہیمی کے وارث اُن کی [illegible] بیت کے معصومین مطلق ہیں اور وہ ہی شفعاء یوم الدین ہیں عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ تیسرا امر عہد میں یہ ہے کہ جو کچھ کرینگے بعہد الٰہی کرینگے نہ اپنی طرف اور اپنے رائے سے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے۔ لا یفعلون شیئاً الا بعہد معہود من اللہ تعالیٰ الخ ۔ وما یشاؤن الا ان یشاء اللہ اور یہی معنی اوحینا الیھم فعل الخیرات کے بھی ہیں :۔

تعریف امامت

نیز اس امامت ابراہیمی سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں اول حضرت ابراہیمؑ اُن لوگوں پر امام قرار دیئے گئے جو ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے بلکہ عالم دہری برزخی و عالم ارواح ہی میں تھے اور انکے زمانے میں پیدا ہونے والے بھی نہ تھے تا روز قیامت جس قدر پیدا ہونے والے تھے سب پر امام بنائے گئے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ تقدم فی الوجود امام کے لئے ضروری ہے۔ دوم یہ کہ آپ کو بواطن زمین و آسمان کا علم دیا گیا علم موہبتی لدنی ۔ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۔ جب امام بنائے گئے۔ لہٰذا امام کے لئے جمیع ماموین پر احاطہ علمی ضروری ہے نہ ظواہر بلکہ بواطن و حقائق پر۔ سوم یہ کہ جب ابراہیمؑ نے جنس ناس کو حج بیت اللہ کیلئے آواز دی تو تمام جنس ناس کو آپ کی آواز پہنچی اور نطفوں نے عالم برزخی دہری میں سُنی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ امام کی قدرت کا تعلق جمیع ماموین سے ہوتا ہے۔ سب کو دیکھتا اور سب کی سنتا ہے۔ ریاست عامہ مطلقہ رکھتا ہے۔ چہارم اس سے ظاہر ہے محض قدرت بلکہ قدرت مع التاثیر یعنی کلی تصرف ہے کہ حضرت کی آواز تمام ناس کو پہنچی اور پھر قبول

[1] حضرت آدمؑ کی عصمت کی بحث کتاب تحفۃ الانبیاء ترجمہ تذییل الانبیاء میں مفصل لکھی گئی ہے اگر ضرورت ہو تو وہاں سے دیکھی جائے۔

کرنے والوں نے فوراً اس پر لبیک کہا اور وہ حج کو جاتے ہیں۔ لہٰذا قدرت کے ساتھ حکم بھی ضروری ہُوا۔ پس بنابریں تعریف امامت یہ ہوگی۔ "الامامۃ ریاسۃ عامۃ من حیث التقدم والعلم والقدرۃ والحکم" یعنی امامت ریاست عامہ ہے بلحاظ تقدم فی الوجود کہ امام ماموین سے پہلے ہو۔ باعتبار علم کے کہ سب پر احاطہ علمی رکھتا ہو اور بلحاظ قدرت کہ سب پر تصرف کرنے پر قادر ہو اور بلحاظ حکم کہ صاحب حکم بھی ہو یعنی کبھی اس قدرت کا ظہور بھی ہو۔ اگر یہ صفتیں اور چار فصلیں نہ پائی جائیں وہ امام نہیں یعنی اگر انمیں سے ایک بھی نہ ہو تو امامت ناقص ہے ۔

پس علماء نے جو امامت کی یہ تعریف کی ہے۔ "الامامۃ ریاسۃ عامۃ فی امور الدین والدنیا نیابۃً عن النبی" اس کی فصل ناقص بلکہ نافی امامت ہے۔ کیونکہ اس میں نیابت نبی کی قید لگائی ہے اسلئے جو امام نائب نبی نہیں ہیں مثل حضرت ابراہیم وحضرت اسحٰق وغیرھما جیساکہ آیات میں مذکور ہُوا وہ اس تعریف امامت سے خارج ہو جائینگے۔

اگر یہ کہا جائے کہ اس تعریف سے مراد خلافت نبیؐ ہے تو اور بھی خرابی لازم آتی ہے اور یہ تعریف بالکل صحیح نہیں رہتی کیونکہ خلفاء نبی میں سے کونسا ہے جس کو ریاست عامہ و مطلقہ حاصل ہو بلکہ کل عرب بھی نہیں بلکہ کل مدینہ میں بھی نہیں ہوئی خلفاء نبی سے بنی ہاشم ہمیشہ علیٰحدہ رہے حتیٰ کہ اگر بطور نص سرسری دیکھا جائے اور خلافت سے مراد حکومت دنیا و سلطنت ظاہری لی جائے تو حضرت علی کو بھی ریاست عامہ مطلقہ نہیں ہوئی۔ بہت سے مسلمان ہی مطیع سلطنت نہیں رہے چنانچہ تواریخ شاہد ہے پس ریاست عامہ کہاں ہوئی لہٰذا اس تعریف امامت کی جنس مقید بھی باطل ہوئی کہ الامامۃ ریاسۃ عامۃ۔ علاوہ ازیں یہ خلافت غیر امامت ہے اور خلافت و امامت دو مفہوم ہیں اور اس لئے ایک کو دوسرے پر حمل کرنا صحیح نہیں ہوگا پس اس خلافت نبی پر یہ تعریف ہرگز صادق نہیں آتی اور ہرگز وہ خلفاء رسول اسکے مستحق نہیں ہوسکتے جو چند دنوں عرب کے چند علاقوں پر یا کچھ زائد زمین پر حاکم ہو گئے۔ اگر اسی تعریف میں غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ ریاست عامہ اس کو حاصل ہوسکتی ہے جو تمام ماموین سے پہلے موجود ہو اور تقدم فی الوجود رکھتا ہو۔ اور سب ماموین پر احاطہ علمی رکھتا ہو اور سب سے عالم تر ہو اور سب پر قادر اور سب پر حاکم و متصرف جب ہی رئیس عام کہلا سکتا ہے۔ پس صحیح تعریف امامت وہی ہے جو ہم نے کی ہے اور آیت سے مستنبط ہے "الامامۃ ریاسۃ عامۃ من حیث التقدم والعلم والقدرۃ والحکمۃ" اور یہ بھی ظاہر ہے اور باب نبوت خاتم النبیینؐ میں ذکر کر چکے ہیں کہ آنحضرتؐ تمام ماسوی اللہ جمیع عوالم پر مبعوث ہیں کوئی فرد موجودات میں سے ان کی نبوت و رسالت مطلقہ

سے خارج نہیں ہے اور امامت ابراہیمی کے اول وارث اور امام آنحضرتؐ ہی ہیں اور بعد از آں آپ کی عترت و ذریت یعنی اہلبیت نبوت و رسالت جیسا کہ ابھی بیان ہوگا۔ لہذا آنحضرتؐ تمام عوالم کے امام ہوئے اور اسی واسطے سب سے مقدم ہیں کہ اول مخلوق ہیں۔ اور سب سے عالم تر کہ مدینہ علوم و مخزن اسرار الہی ہیں۔ اور سب پر قادر و متصرف جن و انس وچرند و پرند و شمس و قمر ملائکہ و ارواح تحت تصرف ہیں پس اسی طرح سے آپ کے بعد کے ائمہ بھی تمام ہی عوالم پر امام ہونگے کیونکہ خلیفہ و قائم مقام رسول ہیں مطلقاً جمیع مبعوث الیہم رسول تحت امامت ائمہ و افضل ہیں۔ لہذا وہ بھی مثل پیغمبر مقدم ہیں وجود میں کہ جزو نور محمدی ہیں۔ اور عالم تر ہیں کہ باب علوم و شریک علم نبی ہیں اور صاحب قدرت ہیں کہ نفس رسول ہیں اور حاکم و متصرف ہیں کہ ولی اللہ ہیں مثل پیغمبرؐ۔

یہیں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حکومت ظاہری کو اصل امامت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ادنیٰ جزو ہے جزویات امامت سے کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر حکومت ظاہری ما بہ الامامت ہو تو حضرت ابراہیمؑ کیا خود پیغمبر خاتم النبیین بھی امام نہیں ٹھیرتے۔ کیونکہ اس معنی میں ریاست عامہ مطلقہ آنحضرتؐ کو بھی حاصل نہ تھی اور تمام دنیا پر غلبہ نہ تھا۔

پھر ریاست عامہ مطلقہ کہاں ثابت ہوتی ہے۔ ہ تحقیق ہے کہ خلق عالم کے تین مرحلے ہیں ایک مرحلہ تخلیق و تکوین ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں بالذات کوئی شریک نہیں۔ خلاق عالم خدا ہے۔ ھل من خالق غیر اللہ۔ پس یہاں پیغمبر یا امام کے لئے ریاست مطلقہ عامہ حاصل نہیں۔ دوسرا مرحلہ تربیت و تدبیر عالم کا ہے۔ تیسرا مرحلہ تکلیف و تبلیغ احکام ہے اس تیسرے مرحلے میں ریاست عامہ پیغمبرؐ کو یا امام کو حاصل نہیں کیونکہ اس صورت میں اس کا کام صرف حکم پہنچا دینا اور انکو عہد و میثاق کا یاد دلانا ہے وَبَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ اور وہ فرماتے ہیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔ ذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ لَسْتَ عَلَیْہِمْ بِمُصَیْطِر یہاں ریاست عامہ حاصل نہیں پیغمبرؐ کا کام صرف حکم پہنچا دینا ہے خواہ لوگ مانیں نہ مانیں۔ پس ریاست عامہ کہاں حاصل ہوئی۔ ریاست عامہ نہیں ہے مگر مقام تربیت و تدبیر میں ظاہر ہے کہ بعد خلقت اشیاء تربیت و تدبیر کی بھی ضرورت ہے اور اول بالذات مربی و مدبر یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ رب العالمین ہے۔ لیکن اسکے مظاہر اسماء ہیں جن پر فعل تدبیر ظاہر ہوتا ہے اور غیر خدا مدبرات امر ضرور ہیں۔ والمدبرات امراً۔ اور پھر فرماتا ہے یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ وہ تدبیر امور کرتا ہے اور نہیں ہے اس تدبیر میں اس کا کوئی شریک مگر بعد اس کی اجازت کے جس سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس اور بھی ہیں جو باذن خدا تدبیر عالم کرتے ہیں اور وہ مربی عالم یہی امام مطلق ہے

اور وہ ہی رب الارض ہے۔ وَاشرقت الارض بنور ربّھا پس امام مقام تربیت و تدبیر عالم میں رئیس مطلق ہے۔
وہ حیات بخش و صحت بخش ہے۔ ہر فیض اسی کے ذریعہ سے پہنچتا ہے۔ خواہ وجود ہو یا علم ہو یا رزق وغیرہ
ملاحظہ ہو قول جناب امیرؑ ابن ملجم مرادی ملعون سے ارید حیاته ویرید قتلی فالامامة ریاسة عامة من جہت التقدم
والعلم والقدرة والحکمة۔ اس بیان کی لفظ لفظ توثیق و تصدیق بیانات آتیہ و استدلالات عقلیہ ونقلیہ
آئندہ سے ہوگی اور آئندہ بیانات اسی تعریف امامت کی توضیح و تشریح ہیں۔

یہ امامت خصوصیت سے نسل اسمٰعیل میں آئی

آیہ مذکورہ میں لفظ مِن و نیز نفی ظالمین سے صاف معلوم ہے کہ یہ عہدہ تمام
ذریت ابراہیمؑ کیلئے نہیں ہے۔ بلکہ بعض ذریت کیواسطے ہے۔ اور وہ بعض ذریت
میں اور ذریت حضرت ابراہیمؑ دو سلسلوں میں چلی ہے ایک سلسلہ اسحٰق یعنی بنی اسرائیل دوسرا سلسلہ بنی اسمٰعیل امامت ان
دونو سلسلوں میں سے کس میں ہے لیکن ثابت کیا جا چکا ہے کہ انبیائے بنی اسرائیل انبیاء جزئی تھے اور سب پر مبعوث نہ تھے اور اسلئے سب
کے پیشوا نہ ہوئے اور اُن کی امامت بھی مثل نبوت جزئیہ ہوئی پس امامت مطلقہ بنی اسحٰق میں نہیں گئی بلکہ
بنی اسمٰعیل میں آئی۔ چنانچہ حضرتؑ کی دوسرے مقام پر ایک دعا اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اِذْ یَرْفَعُ
اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝ رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَیُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ
وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (سورۃ بقرہ ع ۱۴)
ترجمہ۔ جبکہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کے ستون بلند کر رہے اور بنا رہے تھے (تو اس وقت انہوں نے
یہ دعا کی) اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما تحقیق کہ تو ہر ایک بات کا سننے والا اور
ہر ایک امر کا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو (مجھے اور اسمٰعیل کو) اپنا خالص مطیع و منقاد
بنا اور ہماری ذریت (نسل اسمٰعیل) میں سے بھی ایک گروہ کو ہماری طرح اپنا خالص مطیع و منقاد و مسلم مطلق
بنا۔ اور ہمارے مناسک عبادات ہمیں دکھلا اور ہمارے رجوع کو قبول فرما تحقیق کہ تو رجوع خلق کو قبول کرنے
والا اور مہربانی فرمانے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار اس امت پر (جو ہماری طرح تیری مطیع و منقاد اور مسلم
باسلام نبوتی ہو) اُسی میں سے ایک شخص کو رسول بنا جو اُس پر تیری آیات کی تلاوت کرے اور اُنکو کتاب
و حکمت تعلیم کرے اور اُن کا تزکیہ فرمائے بیشک تو سب پر غالب اور صاحب حکمت ہے۔ (دعائے حضرت
ابراہیم و اسمٰعیل ختم ہوئی اب کلام الٰہی شروع ہوتا ہے) اور کون شخص ہے جو اس ملت ابراہیمی کیش)

سے اعراض کرے اور منہ پھیرے مگر وہ جو سفیہ و احمق ہے البتہ ہم نے اس کو (ابراہیم) دنیا میں مصطفٰے و برگزیدہ
بنایا ہے اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہے۔ گنہگار نہیں ہے جب اُسکے پروردگار نے اسکو کہا (اَسْلِمْ)
مطیع و منقاد بن جا تو اُس نے کہا (اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ) میں پروردگار عالمین پر اسلام لایا اور اُسی کا
مطیع و منقاد مطلق بن گیا۔ ان آیات مبارکہ سے چند باتیں مستنبط ہوتی ہیں۔ آخر آیت بتلاتی ہے کہ حضرت ابراہیم
مسلم باسلام بلاواسطہ تھے یعنی اُنکے اور خدا کے درمیان کوئی فرشتہ وغیرہ واسطہ نہیں کہ اُسکے ہاتھ پر اسلام لائے
ہوں جس طرح لوگ (نبی) یا امام یا عالم کے ہاتھ پر مسلمان ہوتے ہیں اور اُسکے واسطہ سے اسلام لاتے ہیں
پس حضرت ابراہیمؑ کا اسلام اسلام بلاواسطہ ہے۔ اور اس اسلام کی خدا خبر دیتا ہے کہ وہ ایسا اسلام رکھتے تھے
یعنی مطیع و منقاد مطلق تھے۔ اور ہمارا اسلام بالواسطہ ہے۔ اور اسی طرح تمام انبیاء کا اسلام بلاواسطہ ہے
اور خدا اور اونکے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا پھر حضرت ابراہیم جو یہ دعا کرتے ہیں کہ ہم کو اپنا خالص مسلمان
بنا اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ تو اسلام بھی رکھتے تھے۔ نبی بھی تھے پیغمبر بھی تھے اور خلیل بھی تھے بلکہ امام بھی
ہو چکے تھے۔ اس وقت یہ کہنا کہ خدا ہمیں اپنا مسلمان بنا کیا معنی رکھتا ہے۔ سوائے اسکے اور کوئی معنی نہیں
ہو سکتے کہ توفیق عمل اور اپنے اسلام مطلق کو فعلیت میں لانیکی دعا کرتے ہیں اور مطلب دعا کا یہ ہے کہ اے
خدا جس طرح سے ہم اعتقاداً تیرے مطیع و منقاد و مسلم مطلق ہیں اسی طرح سے یہ توفیق بھی تو اپنی ہی طرف
سے عطا فرما کہ اسی طاعت مطلقہ کے موافق عمل ہو اور کوئی خطا و لغزش ہم سے نہ ہو اور کسی طرح کا خلل اطاعت
میں نہ آئے یعنی ہم معصوم مطلق رہیں۔ اور اسی عصمت کی دعا حضرت نے اپنی ذریت کے ایک گروہ خاص
کے واسطے کی ہے کیونکہ جس اسلام کی اپنے لئے خواہش کی ہے اسی کی اپنے ذریت کے لئے کی ہے۔ اسی
واسطے لفظ جعل مکرر نہیں لایا گیا کیونکہ ایک ہی معنے مراد ہیں۔ اور "ک" خطاب دونو جگہ یکساں ہے اور
اسی واسطے "ل" اختصاص بھی۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّکَ۔ دوم یہ کہ
یہ دعا حضرت اسمٰعیل کے نسل کے لئے ہے نہ حضرت اسحٰق کیلئے جیسا کہ ضمیر "رَبَّنَا" سے ظاہر ہے۔ ہماری
ذریت میں سے یعنی نسل اسمٰعیل سے جو میری ذریت پیدا ہو۔ لہٰذا یہ مخصوص ہے ذریت اسمٰعیل کیلئے۔
سوم یہ کہ اُس ہی امت میں سے جو مسلمان باسلام نبوتی و اسلام بلاواسطہ ہوگی ایک فرد اُن پر رسول
ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اولاد حضرت اسحٰق میں یعنی بنی اسرائیل میں تا حضرت عیسٰے بہت سے نبی و رسول گذرے
نہ صرف ایک۔ پس اس سے بھی خصوصیت ذریت اسمٰعیل ہی کی ثابت ہے کہ یہ امت مطلقہ خاص نسل اسمٰعیل
سے ہے کیونکہ نسل اسمٰعیل میں سوائے حضرت خاتم النبیینؐ اور کوئی نبی نہیں ہوا۔ پس یہی وہ نبی ہیں جن کے لئے
دعا کی ہے رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ۔ اے پروردگار اس امت پر اسی میں سے ایک کو مبعوث برسالت کر

چہارم اس آیت سے ثابت ہُوا کہ جس وقت نسل اسمٰعیل کا پیغمبر مبعوث برسالت ہُوا۔ تو وہ امت مسلمہ باسلام نبوتی موجود تھی اُسی میں سے وہ پیغمبر مبعوث ہُوا۔ اور ظاہر ہے کہ پیغمبر بنی ہاشم سے مبعوث ہُوا پس وہ امت مسلمہ نسل اسمٰعیل و ذریت ابراہیمی بنی ہاشم سے ہے جو مسلم باسلام نبوتی اور معصوم مطلق ہے پنجم۔ یہ ملت ابراہیمؑ ہے کہ انہوں نے اس سلسلہ کو اپنی ذریت میں قرار دیا۔ اور جو اس ملت ابراہیمؑ سے اعراض کرے اور اس سلسلہ کا انکار کرے وہ سفیہ و احمق ہے۔ بہر حال ان آیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ منجملہ دیگر امور کے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے ایک گروہ کے لئے عصمت کی دعا کی ہے کہ انکو معصوم مطلق رکھا جائے۔ چنانچہ ایک اور مقام پر اس کی اور تصریح موجود ہے۔ یعنی جہاں حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل کو مکہ معظمہ میں سکونت پذیر کرنے کا ذکر کیا اس سے پہلے فرمایا۔ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ اے پروردگار اس شہر کو جائے امن قرار دے اور مجھکو اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے بچا۔ پس اولاً و بالذات اولاد حضرت ابراہیمؑ میں سے بتوں کی پرستش سے محفوظ وہی ذریت ہوگی جو نبی ہیں اور وہ جو مسلم باسلام نبوتی ہیں پس انہی کیواسطے یہ عہد ہے۔ اور یہ معصوم ہیں۔ اور ہم پہلے آیہ عہد امامت میں ثابت کر آئے ہیں کہ اُس عہد امامت کے مستحق جو بعد رسالت وغیرہ حضرت ابراہیم کو عطا ہُوا۔ ذریت ابراہیم کے معصومین ہیں۔ پس معلوم ہُوا کہ اس سلسلے میں اوّل وارث عہد امامت ابراہیم یہی امت مسلمہ ہے جو مسلم باسلام نبوتی اور معصوم ہے اور غیر خدا کی پرستش سے محفوظ۔ اور یہ امت مسلمہ وہ ہے جس کا ایک فرد پیغمبر خاتم النبیینؐ ہے۔ اور پیغمبر بنی ہاشم سے مبعوث ہُوا ہے۔ لہٰذا وہ ذریت ابراہیم جو اس عہد امامت کی وارث ہے نسل اسمٰعیل بنی ہاشم میں سے ہے اور جس وقت پیغمبر ظاہر ہُوا وہ مسلمان باسلام نبوتی موجود تھی اور یہ مسلّم ہے کہ بنی ہاشم میں اُس وقت ایسا شخص جو مسلم باسلام نبوتی ہو اور کوئی نہیں ہو سکتا سوائے علیؑ ابن ابی طالب کے جو سب سے پہلے لڑکپن ہی میں رسولؐ پر ایمان لائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جس وقت پیغمبر مبعوث ہوئے اس وقت بنی ہاشم میں کوئی مسلمان موجود نہ تھا تو آیہ مبارکہ کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ آیت سے ثابت [illegible] امت ہمیشہ ذریت ابراہیم و اسمٰعیل میں باقی ہو۔ اور کبھی اس سے خالی نہیں ہو سکتی لہٰذا اُس [illegible] سے پیغمبر مبعوث ہوئے کم سے کم ایک فرد مسلمان باسلام نبوتی موجود ہو۔ اور ایسا شخص [illegible] علیؑ ابن ابی طالب اور کوئی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ سلسلہ امامت و نبوت ابراہیمی اسمٰعیل [illegible] میں آیا اور ان میں سے اول امام مطلق خاتم النبیین ہیں نبوت آپ پر ختم ہو گئی امامت باقی رہی [illegible] اس امت مسلمہ کی دوسری فرد علیؑ ابن ابی طالب وارث امامت ہوئے۔

یہ ملت ابراہیم ہے کہ انہوں نے سلسلہ امامت اپنی ذریت میں قایم کیا۔ اور پیغمبر کو بھی حکم ہُوا ہے کہ تم بھی ملت

ابراہیمی کی پیروی کرو۔ "اتبع ملۃ ابراھیم حنیفا" یعنی آپ کو حکم ہوا ہے کہ وہ ملت حنفیہ ابراہیم کی پیروی کریں یعنی وہ بھی مثل ابراہیم سلسلہ امامت اپنی ذریت میں قائم کریں۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ بعد رسول خدا یہ سلسلہ ذریت نبی میں آیا جو ذریت ابراہیم و اسمٰعیل ہے اور ذریت آنحضرت ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ کی نسل سے ہے۔ کیونکہ اولاد مزینہ سے آپ کا سلسلہ نسل نہیں چلایا گیا اور حضرت علی عترت نبی و ذریت ابراہیم و امت مسلمہ سے ہیں اس لئے یہ سلسلہ امامت تا قیام قیامت ذریت رسول یعنی اولاد علیؑ ابن ابی طالب میں قائم ہے۔ اور ہم کو بھی حکم ہے "واتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا" تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو پس چاہیے کہ ہم بھی سلسلہ امامت کو بعد رسول اس کی اولاد میں قائم رکھیں جو ذریت ابراہیم و اسمعیل ہے اور اس سے اعتراض نہ کریں جو اس سے اعراض کرتا ہے وہ احمق و سفیہ ہے "ومن یرغب عن ملۃ ابراھیم الا من سفہ نفسہ" ماحصل یہ ہے کہ سلسلہ امامت مطلقہ بعد ابراہیم بنی اسرائیل میں نہیں گیا بلکہ بنی اسمٰعیل میں آیا جیسا کہ ثابت کیا گیا اور وہ حضرت اسمٰعیل کی نسل سے ایک گروہ خاص میں آیا جو معصومینؑ ہیں اور اُن میں سے پہلے فرد جناب رسول خداؐ ہیں اور وہ اس سلسلے کے اول امام مطلق ہیں اس امر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ سلسلہ بنی اسرائیل میں نہیں گیا کہ یہ امامت مطلقہ ہے۔ اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی نبوت محدود تھی جیسا کہ بیان ہوا بعض کل بنی اسرائیل پر مبعوث ہوئے تھے اور بعض صرف ایک لاکھ پر مثلاً اس لئے وہ کل مخلوق اور تمام جنس بشر اور نوع بنی آدم کے پیشوا نہ تھے وہ صرف اپنی امت کے امام و پیشوا تھے اور اس سلسلہ اسمعیل میں سے جو پیغمبر مبعوث ہوا وہ تمام جنس بشر پر مبعوث ہوا جیسا کہ خدا خبر دیتا ہے "وما ارسلناک الا کافۃ للناس" نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو اے پیغمبر مگر تمام جنس بشر اور نوع انسان کے لئے۔ بخلاف دیگر انبیاء کے لہٰذا امامت مطلقہ بنی اسمٰعیل ہی میں آئی اور آنحضرت سب کے پیغمبر اور تمام کے پیشوا اور امام قرار پائے لیکن نبوت و پیغمبری آپ پر ختم ہو گئی۔ سلسلہ امامت آپ کی ذریت میں جاری رہا۔ "واللہ یختص برحمتہ من یشاء" بلکہ خاتم النبیین تمام عالم پر نذیر ہیں اور ماسوی اللہ مبعوث الیہم میں داخل۔ پس آپ کے بعد آپ کے وارث بھی تمام مخلوقات پر حجت اور امام ہوں گے نہ صرف بنی نوع انسان پر۔ فتدبر فیہ حق التدبر۔

امامت کے لئے کتاب وجودی کی ضرورت

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہر نبی کو کتاب وجودی دی جاتی ہے یعنی علم اپنے وجود کے ساتھ لیکر آتا ہے اور ماں کے پیٹ سے عالم بلکہ علیم پیدا ہوتا ہے۔ اس سے کوئی نبی مستثنےٰ نہیں چہ جائیکہ صاحب نبوت مطلقہ۔ نبوت و کتاب لازم و ملزوم ہیں کوئی بھی بلا کتاب وجودی نبی نہیں ہو سکتا۔ پس سلسلہ کتاب و نبوت حضرت آدم سے یکے بعد دیگرے

حضرت ابراہیمؑ کو پہنچا اور بعد ازاں انکی ذریت میں قرار دیا گیا۔ چنانچہ فرماتا ہے "وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ"
یعنی ہم نے ذریت ابراہیم میں نبوت و کتاب قرار دی پس نبوت و کتاب کا ذریت ابراہیمی میں ہونا جعل الٰہی ہے
اسکو کوئی بدل نہیں سکتا ہمیشہ ہمیشہ تا قیام قیامت قائم ہے۔ سلسلہ بنی اسرائیل حضرت عیسٰیؑ پر ختم ہو گیا اور سلسلہ
اسمٰعیل میں سے حضرت محمد مصطفٰےؐ مبعوث نبوت ہوئے اور مالک کتاب لیکن پاک کلام ہی ہمیں بتلاتا ہے
کہ نبوت خاتم النبیینؐ پر ختم ہو گئی پس آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا لیکن کتاب اپنی اصل پر باقی ہے یعنی وہ ذریت
ابراہیمی سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت اسمٰعیل اور حضرت خاتم النبیینؐ کے درمیان کوئی نبی
نہیں ہے اور کتاب وجودی ذریت ابراہیم میں چاہیئے کہ ہمیشہ باقی رہے منقطع نہ ہو کیونکہ جعل الٰہی ہے۔ لہٰذا
بعد اسمٰعیل تا حضرت خاتمؐ حامل کتاب وجودی کون تھے؟ کیا حضرت اسمٰعیل کے اولاد کے مشرکین عرب تھے؟
ہرگز نہیں کوئی مسلمان اس کا اعتقاد نہیں رکھ سکتا کہ حامل کتاب وجودی نبوت مشرکین ہوں پس یقیناً حامل
کتاب وجودی وہ ہی امت مسلمہ تھی جو عبادت غیر خدا سے محفوظ تھی اور مسلم باسلام نبوتی اور وہ سلسلہ بنی ہاشم پر
منتہی ہوا اور بنی ہاشم میں سے پیغمبر خدا مبعوث ہوئے جو اس امت کی ایک فرد تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ صاحب
کتاب وجودی نبوتی وہ ہی امت مسلمہ ہے اور وہ ہی معصومینؑ ہیں جو بعد رسول خداؐ وارث امامت مطلقہ ہوئے
اور ثانی قرآن و ثانی ثقلین قرار پائے اور قرآن کے ساتھ اتحاد وجودی رکھتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ امام کے لئے بھی
کتاب وجودی ضروری ہے اور جس طرح کتاب و نبوت لازم و ملزوم ہیں اسی طرح کتاب و امامت لازم و ملزوم ہیں
امام بھی اپنے وجود کیساتھ علم لیکر آتا ہے اور ماں کے پیٹ سے عالم بلکہ علیم پیدا ہوتا ہے اور یہی اول شناخت
امامت ہے امام صاحب عہد الٰہی معصوم اور عالم علم لدنی موھبتی صاحب کتاب وجودی ہوتا ہے جاہل
امام نہیں بنایا جاتا ہے

علم امامت کی مزید توضیح

چونکہ اس سلسلہ امامت ابراہیمی کے امام امام مطلق ہوتے ہیں تو ان کا علم بھی علم مطلق ہے بہ نسبت دیگر انبیاء کے ان انبیاء کا علم جزئی ہوتا ہے
جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا۔ لہٰذا ان کے لئے جہاں کہیں علم کا ذکر ہے۔ عَلیٰ عِلْمٍ یا عَلَّمْنَاہُ کہا گیا ہے اور اس
علم کا جہاں ذکر ہے اور جس جگہ ان لوگوں کا بیان ہے۔ وہاں اُوْتُوا الْعِلْمَ یعنی علم کلی ان کو دیا گیا ہے۔ اس
اطلاق کے یہ معنی نہیں کہ جو کچھ خدا جانتا ہے سب بتلا دیا ہے اور جو کچھ خدا کا علم ہے وہ ہی ان کا علم ہے بلکہ یہ
اطلاق دیگر انبیاء وغیرھم کے مقابلہ میں ہے کہ ان کا علم انکے علم کا جزو ہوتا ہے اور ان کا علم انکے مقابلہ میں کل کا حکم
رکھتا ہے۔ یہ لوگ وہ تمام باتیں جانتے ہیں جو پہلے انبیاء وغیرہم جانتے تھے مع شے زائد جس کو اور کوئی نہیں جانتا
تھا (فافہم) بہت سی آیات میں اس علم کا ذکر ہے۔ قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ